

دُرِّ نایاب

تاریخ سادات بارہہ ہندوستان

ظہیر رضوی

پبلشر
سید ظہیر الحسنؑ رضوی مؤلف

ملنے کا پتہ :- کراچی پاکستان پیر الٰہی بخش کالونی ۲ کوارٹر ۲
بیرگ ۲ بلوک ۱

(مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی)



سید ظہیر الحسن رضوی ریٹائرڈ تحصیلدار بھرتپور

پبلشر
سید ظہیر الحسن رضوی مؤلف

ملنے کا پتہ: [illegible] کراچی پاکستان [illegible] کوارٹر [illegible]

(مطبوعہ مشہور آفسیٹ لیتھو پریس کراچی)

فہرست عنوانات

پیش لفظ

سید محمد محمود صاحب رضوی۔ محمود اکبر آبادی ریفرنس آفیسر ریڈیو پاکستان کراچی

میں نے اس تاریخ کی ترتیب بہ غور دیکھی اور اس کے بعض اجزا توجہ سے پڑھے ہیں۔ یہ تصنیف مفید ہے اور موقت حالات نے اس کی اہمیت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس صحیفے کے فاضل مصنف سید ظہیر الحسن صاحب رضوی ریاست بھرت پور میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ ملازمت کے دوران میں تحصیلوں کے دفتروں اور خود صدر مقام کے محافظ خانے میں پرانے کاغذات ریاست سے تاریخی، سیاسی، مالی حالات کا جائزہ لینے کے لیے تعینات کیا گیا اور ریٹائر ہونے پر جب ریجنل کمیٹی آف انڈین ہسٹوریکل ریکارڈس کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے ایسے کاغذات اور دستاویزات ان کی نظر سے گزرے جن سے بھرت پور کے باشندوں بالخصوص سادات کے حالات پر روشنی پڑتی تھی۔ ان کو ان حالات سے دلچسپی تھی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے یہ تاریخ مرتب کر ڈالی۔ یہ زمانہ کا ایک برمحل احسان ہے۔ بے شبہ ان کاغذات کا وجود اب باقی نہ رکھا جائے گا اور یہ بیش بہا شواہد محض اس لئے تلف کر دیے جائیں گے کہ مسلمانوں کی عظمت۔ کارناموں اور حقوق کے آثار نابود ہو جائیں۔

مصنف نے بڑی دیدہ ریزی۔ محنت اور جانفشانی سے وہ سارا مواد جس میں روایات کہاوتیں۔ نظمیں اور واقعات شامل ہیں اس کتاب میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے جس کو تلاش

کرنے میں مورخ کو جسمانی و ذہنی کاوش کرنی پڑتی ہے۔ جس طرح ہندوستان کی اٹھارھویں اور انیسویں صدیوں کی تاریخ کا مواد پرتگالی۔ فرانسیسی اور بنگلہ زبانوں کے موقت سرکاری کاغذات۔ پروانوں۔ فرامین اور سفرناموں میں میسر آتا ہے اسی طرح ریاست بھرت پور کے سادات کی تاریخ کا مواد اس کتاب میں ایک جگہ جمع ہے جس سے معتد بہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں اس خیال کے حضرات اب بھی بکثرت موجود ہیں جو نسل و نسب کی چھان بین کے شائق ہیں اور خاندانوں کے شجروں سے واقف رہنا قیام شرافت کے لئے لازمی سمجھتے ہیں۔ اس مذاق کے حضرات کے لئے یہ تصنیف نہ صرف شمع ہدایت ہے بلکہ اس میں ایسا قابل اعتماد مواد شرح و وضاحت کے ساتھ موجود ہے جس کی صحت و سند پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

کراچی

۸ راکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

مخمور اکبر آبادی

۷۸۶

تمہید

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سادات اثنا عشری ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ مہاجرین کی وہ ستم رسیدہ و مصیبت زدہ جماعت اور افراد ہیں جن پر بھرتپور کی ظالم و سفاک جاٹ ۔ گوجر متقدر جماعتوں اور طاقتوں نے راشٹریہ سیوک سنگھ میں داخل ہو کر خود آخری مہاراجہ بھرتپور اور وہاں کے حکام نے محض اس بنا پر کہ یہ غریب کلمۂ حقہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ۔ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن ملی کے طالب اور پاکستان کے حامی تھے ۔ منظم یلغار کی بربریت و درندگی کو شعار بنایا ۔ مظالم و آفات کے پہاڑ توڑے ۔ انھیں لوٹا ۔ ستایا ۔ مٹایا اور اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر ۔ عزت و آبرو اور اپنی جان عزیز

کو بچا کر کسی نہ کسی طرح نکل پڑے اور پاکستان آکر پناہ لی کہ یہی سرزمین اب اُن کا وطن ہے جہاں وہ ایک باعزت مسلمان کی حیثیت سے اپنی نئی زندگی کی از سر نو تعمیر کریں گے اور ساتھ ہی پاکستان کی تعمیر و استحکام کے لئے بھی اپنی امکانی کوشش صرف کردیں گے۔ بہت سے سادات کو شہید کردیا گیا جن کے پس ماندگان بے یار و مددگار بڑی مصیبتیں جھیل کر پاکستان پہونچے ہیں۔ یہاں کے جو سادات ہندوستان کے دوسرے مقامات پر تھے اُن کو بھی انھیں حالات میں مجبور ہو کر مملکت پاکستان میں ہجرت کر کے آنا پڑا۔ قریب تین سال کے عرصہ گذر چکا اب تک یہ حالات ہیں کہ دارالحکومت کراچی کے اکثر گوشوں اور مضافات کراچی و دیگر جگہ مملکت پاکستان میں غریب مہاجرین سادات بھرپور کی بڑی تعداد انتہائی تباہ حال، مفلوک اور منتشر حالات میں دربدر اور کیمپوں میں پڑی ہوئی ہے اور اُن مصیبتوں کے حل کے لئے نہ کوئی باوزن و باوقعت جماعت ہے اور نہ کوئی صحیح انتظام۔ بزرگوں کی حاصل و قائم کی ہوئی بستیوں میں جو لوگ اجتماعی زندگی بسر کر رہے تھے وہ اب دربدر ہو گئے۔ اُن کا شیرازہ بکھر گیا۔ آئندہ نسلوں کا پتہ بھی نہ چلے گا کہ کون کہاں گیا۔ بزرگوں کے حالات۔ کارنامے۔ اصلی وطن کا پتہ۔ املاک کی تفصیل سے جب آئندہ نسلیں بالکل بے خبر ہوں گی۔ ماحولِ زمانہ اُن کو دوسرے فرقوں اور قوموں میں جذب کرنے کی کوشش کرے گا تو بزرگوں کی عظمت۔ جد و جہد۔ محنت اور کاوشیں بالکل رائیگاں جائیں گی جو اُنھوں نے آئندہ

نسلوں کے لئے مذہبی۔ تمدنی۔ اقتصادی۔ سیاسی نظریات کے تحت اب تک گیں۔

علاوہ ازیں اگرچہ موجودہ وقت میں بظاہر کوئی امکان املاک وحقوق کی واپسی یا اُن کے معاوضہ وغیرہ ملنے کا نظر نہیں آتا مگر زمانے کو پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی حالات مخالف اور موافق بدلتے رہتے ہیں۔ تواریخ شاہد ہیں کہ ۱۰۰۰ء تک بیانہ و نواح بیانہ میں مسلمان حکومت ہونے کا وہم وگمان بھی وہاں کے رہنے والوں کو نہ ہوگا۔ مگر سلطان محمود غزنوی کے حملوں نے یکایک امکان پیدا کردیا اور مسلمان حکومتیں بعض بعض مقامات پر قائم ہونا شروع ہوئیں سلطان کی وفات کے بعد پھر اُن کو زوال آگیا اور تقریباً ۱۷۰ سال تک پھر بیانہ و نواح بیانہ میں قدیم ہندو حکومتیں چھا گئیں۔ ۱۷۰ سال بعد شہاب الدین محمد غوری نے حملے کئے اور ہندوستان کی حکومتوں کا وہ نقشہ بدلا کہ ۱۸۵۷ء تک مسلسل مسلمانوں کی حکومت ہوتی چلی آئی۔

اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو اُس سے مایوس امیدوار

الغرض لاکھوں روپیہ کی املاک پشت ہا پشت کا اثاثہ۔ مدت العمر کا جمع کیا ہوا سامان۔ لین دین کا لاکھوں روپیہ۔ بینکوں۔ فنڈ اور کاروبار میں لگا ہوا سرمایہ جو اپنے مقامات پر چھوڑ کر آئے ہیں اُن کی یادداشتیں اور کاغذی وجود کچھ نہ کچھ تو باقی رہے جو کو ممکن ہے موجودہ یا بعد کی نسلیں اگر حاصل کرنے کی قوت پیدا کرلیں تو اُن کے لئے اعداد و شمار میں مدد مل سکے۔

ان خیالات اور ضروریات نے محسوس کرایا کہ جہاں تک معلوم ہو سکیں ابتدائی حالات سے اب تک کے واقعات کو ایک کتاب اور تاریخ کی صورت میں منضبط کر دیا جائے اور جو سلسلہ ترتیب شجرۃ النسب سادات بجر تپور کا ایک مدت مدید سے بزرگوں کا قائم شدہ ہے اُس کو فی زمانہ پایۂ تکمیل کو پہونچا کر طبع کرا دیا جائے تاکہ پچھلی محنتیں بیکار اور روایات غلط ثابت نہ ہوں اور نسلیں ایک دوسرے کو پہچان کر قریب تر رہیں۔ اس کے بعد نقصانات کی فہرستیں جہاں تک ممکن ہو تیار کر کے اُن کو شائع کیا جائے اور باقاعدہ ادارے قائم کر کے اُن کے ذریعہ حکومتی شعبہ جات میں ریکارڈ قائم کیا جائے۔ اُس سلسلہ کی یہ پہلی قسط تاریخ کی صورت میں طبع کرا کے پیش کی جاتی ہے۔ کیونکہ علم تاریخ فی الجملہ ایک ایسا شریح و بسیط گنجینۂ معلومات ہے کہ جس کا مطالعہ سوانحات ماضیہ کو ایک مجسمہ کی صورت یا عکسی تصویر کے دائرہ میں نظروں کے سامنے پیش کر کے دل میں گدگدیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اسی علم کی بدولت ہادیان دین و ملت اور شاہان اولوالعزم کے اذکار کہ جن کی ہڈیوں کو بھی فی زمانہ گردش آسمان و زمین گور ہیس میں کر چونہ بنا چکی ہے مثل آفتاب درخشندہ، روشن اور ہر مبصر کے دل میں حیات جاوید حاصل کر کے زندہ ہیں۔ علم تاریخ ہر ملک و ملت، قصبے، قریہ اور ہر قوم و فرقہ کی یادداشت کو تازہ کرا دینے کا جزو لاینفک ہے۔ اس علم کی ورق گردانی و تدریس منچلوں کے کارنامے بہادروں کے افسانہ کی یاد دہانی کرتے ہوئے ضعیفوں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان

بنانے کی قدرت حاصل کئے ہوئے ہے۔ اس علم کا معائنہ ہر خاندان کو دلیرانہ و ہر فرقہ کو دانشمندانہ زندگانی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جس فرقہ یا قوم میں یہ علم حیات ہے اُس کو ہمیشہ معراج کمال حاصل ہے۔

اس تاریخ کے پڑھنے سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بزرگان سادات ریاست بھرتپور کس عظمت کے مالک اور جلیل القدر و ذمہ دار عہدوں پر فائز ہو کر حکومتی شعبہ جات میں کیا درجہ اور وقار رکھتے تھے اور ابتدائے بیانہ میں اسلامی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے کیسی بیش بہا قربانیاں دی ہیں جس کے سبب قریب آٹھ سو سال تک وہاں مسلمانوں کی حکومت قایم رہی اور اُسی طرح موجودہ سادات نے بھی حصول پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی دے کر مملکت پاکستان کو قائم کرایا۔

جب تک قفس نہ دیکھا تھا وہ دن بھی یاد نہیں
اب ہم کہیں ہیں۔ پھول کہیں۔ آشیاں کہیں

التماس ضروری

اپنی علمی بے بضاعتی کا مجھے خود اعتراف ہے یہ امداد غیبی یا برادر محترم شاہ صاحب بھرتپوری موصوف کا فیض صحبت ہے کہ اتنے بڑے اور اہم کام کو میں نے ہاتھ میں لیا اور پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔ وقتاً فوقتاً موصوف نے اصلاحات

کا شرف بھی بخشا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب انھیں کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے جن کے ذخیرہ سے مجھے اس تالیف میں کافی امداد ملی ہے اس لئے اگر اس تالیف میں کسی مقام پر کوئی غلطی یا سہو یا لغزش پائی جائے جس کا ہونا بمقتضائے بشریت ممکن ہے تو بجائے نکتہ چینی کے بنظر اصلاح راقم الحروف کو مطلع فرمادیا جائے تاکہ آئندہ اُس کا ازالہ کر دیا جائے۔

ساتھ ہی شکر گذار ہوں کہ محترم بزرگان و برادران و عزیزان عالی جناب سید ابو علی صاحب جعفری بیرسٹرایٹ لا۔ الحاج سید علی متقی صاحب جعفری بی۔ اے ایل ایل بی سابق سول و سشن جج سی۔ پی و حال کسٹوڈین کراچی۔ سید محمد رضی صاحب جعفری ایف۔ اے سابق لیبر کمانڈنگ سی۔ پی۔ سید آل رضا صاحب رضوی سابق سول سشن جج سی۔ پی۔ سید عتیق الحسن صاحب رضوی سابق اورسیر جونپور سید اکرام حسین صاحب سابق پیشکار کچہری بھرتپور۔ بابو سید محمود الحسن صاحب رضوی سابق کمانڈنگ لیبر کور ون راجپوتانہ و آرگنائزر پیر الہی بخش کالونی ع۲ کراچی۔ ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب رضوی سول سرجن پولیس و جیل اسپتال کراچی ماسٹر سید محمود الحسن صاحب جعفری سالٹ سپرنٹنڈنٹ ماڑی پور کراچی۔ سید عابد حسین صاحب جعفری بی۔ اے نلیگ۔ سید محمد جعفری صاحب جعفری انفارمیشن آفیسر کراچی۔ سید علی مقدس صاحب رضوی ایم۔ اے سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس یو۔ پی۔ سید ارشاد حسین صاحب زیدی الواسطی بھرتپوری ڈرائنگ ماسٹر

پاکستان گورنمنٹ ہائی اسکول۔ سید حسن محمود صاحب رضوی بی۔ اے، سید غلام علی احسن وکیل اکبرآبادی مصنف رہبر زائرانِ، سید علی اطہر صاحب جعفری سابق نائب تحصیلدار حال مہتمم ہفت روزہ زمانہ کراچی۔ ماسٹر سید سعید احمد صاحب جعفری۔ سید محمد مسعود صاحب جعفری وکیل سابق بارڈی ریاست دھول پور حال حیدرآباد سندھ۔ سید حسن علی عابد صاحب جعفری آکسن بیرسٹرایٹ لا نے اپنے زریں مشوروں سے مستفید فرما کر بعض بعض حصص اور واقعات کو دلچسپی سے سُنا اور اس کی اشاعت پر زور دیا اور اس میں ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔

آخر میں برادر محترم سید محمود محمود صاحب رضوی ہیلکی مخمور اکبرآبادی ریفرنس آفیسر ریڈیو پاکستان کراچی کا جو ہندوستان کے مشہور مصنف و شاعر اور صحافتی دنیا میں مسلم الثبوت ادیب۔ سادات بھرت پور میں مایہ ناز ہستی ہیں ممنون ہی نہیں بلکہ احسان مند ہوں کہ موصوف نے باوجود علمی مشاغل و دفتری عدیم الفرصتی کے اکثر اپنے عزیز وقت کو صرف کر کے اس تاریخ کو اصلاحات کا شرف بخشا اور اس کی طباعت وغیرہ میں کوشش بلیغ فرمائی۔ والسلام

احقر الزمن

پبلشر } سید ظہیر الحسن رضوی
ہیر الٰہی بخش کالونی ۲ کراچی کوارٹر ۸
برگ ۲ بلاک ۱



سیدؒ ظہیر الحسنؒ رضوی ریٹائرڈ تحصیلدار

سید موسی رضاؒ رضوی شاد بھرتپوری

۷۸۶

مقدمہ

ساداتِ اثنا عشری ریاست بھرتپور کی ابتدائی تاریخ و انساب کی تحقیقات اور تالیف کا کام ابتداءً جناب قبلہ سید غلام حسین صاحب جعفری پہرسری ڈپٹی کلکٹر نے شروع کیا جب کہ وہ بندوبست ۱۹۰۵ء ریاست بھرتپور میں اسسٹنٹ سیٹلمینٹ افیسر تھے۔ اور بعد میں تحصیل اکھے گڈھ کے تحصیلدار ہوئے۔ اُن کے بعد اُسی سلسلہ کی تکمیل اور مفصل حالات کا مجموعہ یعنی ایک بحر ذخار تحقیق جناب قبلہ سید محمد صاحب عرف ننھو جی اُن کے خلف اکبر نے بہ ہمراہی محققِ کامل جناب قبلہ حکیم و مولوی سید ضامن علی صاحب رضوی دہلکی مرحوم و مغفور جو اس نواح میں عالم باعمل اور افضل و افاضل استاد فن تاریخ گوئی گذرے ہیں۔ اپنی قلمی دو جلدوں میں منضبط فرمائی یا بعد وفات ہر دو محققان

وہ ذخیرہ مال متروکہ میں جناب قبلہ حکیم الحکما سید محمد ابو تراب صاحب جعفری بہرسری خلف صادق میر سید محمد صاحب موصوف کو ملا وہ ذخیرہ حکیم صاحب موصوف سے جو ایک نیک نفس آدمی تھے برادر محترم سید موسی رضا صاحب رضوی ہیلکی شادؔ بھرتپوری خلف الصدق جناب قبلہ سید قاسم حسین صاحب رضوی ہیلکی نے حاصل کیا۔ اس ذخیرہ میں تحقیقات انساب مستند اور مکمل ملیں لیکن واقعات حال سے وہ بھی نامکمل تھا چنانچہ بہت کچھ واقعات حکیم صاحب موصوف نے اُس ذخیرہ میں اضافہ فرمائے۔ اس ذخیرہ سے جو غیر مرتب تھا شادؔ صاحب موصوف کو معلومات میں کافی مدد ملی۔ افسوس کہ وہ ذخیرہ شائع نہ ہو سکا اور ہر دو جلد بھرتپور سے ہجرت کے وقت شادؔ صاحب کے مکان پر رہ گئیں جن میں اب سندھی شرنارتھی آباد ہیں۔ ایک سلسلہ نسب نامہ کا جناب سید وصیت علی صاحب مرحوم و مغفور تحصیلدار نے بہ صرف کثیر انتہائی محنت و جانفشانی کے ساتھ تحقیق کر کے مرتب فرمایا جو شجر طوبیٰ کے نام سے موسوم ہوا اُسی کا نام باغ سادات بھی مشہور رہے۔ افسوس کہ وہ بھی شائع نہیں ہوا۔ بعد وفات جناب تحصیلدار صاحب مرحوم و مغفور شجر طوبیٰ کا اصل مسودہ مال متروکہ میں اُن کے خلف اصغر جناب سید عبداللہ صاحب جعفری مرحوم و مغفور کے پاس رہا۔ وہی یا اُس کی نقل جناب سید محمد مصطفٰے حسین صاحب پنشنر سرکل انسپکٹر سی۔ پی تک پہنچی۔ جو جناب تحصیلدار صاحب موصوف کے پوتے ہیں۔ اور انہوں نے بعد مقابلہ نسب نامہ

تکملہ جناب شاد صاحب بہ صرف زرکثیر مولوی سید حسین صاحب رضوی ہیلکی خوش نویس سے نقل کرا کے مکمل کرا لیا۔ جس کے طبع کرانے کا عرصہ سے آنجناب کا قصد ہے مگر ہنوز طبع نہیں ہوا۔ اس نسب نامہ میں اولادِ ذکور ہی درج ہے اور غالباً پانچ سال قبل تک کی نسلوں کا اندراج اُس میں ہے۔ دختران اور اُن کی شادی کہ کس خاندان میں ہوئی اور تاریخ وفات غالباً اُس میں درج نہیں ہے۔

ایک مسودہ نسب نامہ شجرۂ طوبیٰ جناب قبلہ سید شمس الحسن صاحب مرحوم مغفور تحصیلدار ابن خان بہادر سید امداد علی صاحب کے پاس سے معرفت جناب قبلہ سید ابرار حسین صاحب مرحوم و مغفور تحصیلدار اور ایک مسودہ جناب سید حبیب احمد صاحب مرحوم و مغفور ابن سید مصطفےٰ حسین صاحب اجیٹن راج پلٹن بھرتپور سے شاد صاحب موصوف نے حاصل کیا مگر دونوں نامکمل اور غیر مستند پائے جن کی تصحیح شاد صاحب کو کرنی پڑی۔

ان تمام ذخائر کے باوجود شاد صاحب موصوف نے خود ذاتی تحقیقات شروع کی اور بہ صرف زر کثیر و انتہائی دن رات کی کوشش بلیغ اور جد و جہد سے حتی الوسع صحیح نسب نامہ فراہم کیے جانے کا عزم مصمم فرمایا۔ خطوط۔ اعلانات پیغام تمام افراد برادری کے پاس پہونچائے۔ چنانچہ جس بزرگ کے پاس جیسا ذخیرہ اُن کی نسل کا تھا اُن سے فراہم کیا گیا اور حالات سے وقفیت

رکھنے والے بزرگان و احباب سے تصدیق و نیز اپنے ذخائر سے مقابلہ کرتے ہوئے ایک مکمل نسب نامہ مرتب فرمایا جس میں دختران و اُن کے رشتہ کا اندراج وحتی الوسع تاریخ وفات بھی درج کی گئی ہیں۔ غرض اقسام اقسام کی مشکلات کے باوجود ۱۹۱۲ء سے اب تک مسلسل ۲۸ سال کی مدتِ دراز میں برادر محترم شاد صاحب موصوف نے اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہے۔ ساتھ ہی مقتدر و مشاہیر بزرگان کے حالات اور یہ کہ اس وقت سادات بھرتپور کن کن مقامات مملکت پاکستان و ہندوستان (بھارت) میں منتشر ہو گئے ہیں اضافہ کر کے اُس کی تکمیل کر رہے ہیں۔

برادر محترم شاد صاحب کو ابتداءً ترتیب شجرۂ نسب کا شوق راقم الحروف نے ہی دلایا تھا اور پھر زمانۂ ملازمت تحصیلداری تک وقتاً فوقتاً اور ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۴۵ء سے مسلسل ہر قسم کی معلومات بہم پہونچا کر اسی سلسلہ میں تاریخ سادات بھرتپور کی تالیف کے لئے اُن کی توجہ مبذول کرائی چنانچہ موصوف نے ایک نسخہ تاریخ بھرتپور کے نام سے تالیف فرمایا اُسی میں سادات بھرتپور کا تذکرہ بھی ہے۔ اس تاریخی سلسلہ کو ہمراہ شجرۃ النسب شائع کرانے کا قصد راقم الحروف نے ہندوستان میں ہی کیا تھا مگر چند وجوہات سے نہ ہو سکا۔

قومی درد۔ سابقہ محنت و کاوشوں کا خیال۔ احباب کا اصرار اور وجوہات جن کا تذکرہ تمہید میں کیا گیا ہے سب نے مجبور کیا کہ اول تاریخ سادات بھرتپور


نقشہ ریاست بھرتپور
پیمانہ
ایک انچ = ۱۶ میل
ریلوے لائن
پکی سڑک
پہاڑ
ندی
ضلع گوڑگانواں
ریاست الور
کامہ
ڈیگ
کمہیر
بیانہ
روپباس
ریاست قرولی
ریاست دھولپور

ازابتدا تا واقعات حال تالیف کر کے شائع کرائی جائے جو بطور سرنامہ شجرۃ النسب ہو اور پھر دیکھا جائے کہ افراد قوم کو اس سلسلہ میں کس قدر دلچسپی ہے اگر ہمت افزائی کی گئی تو پھر شجرۃ النسب کو بھی شائع کرایا جائے گا کہ جس میں جانکاہ محنت اور کافی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ چھ ماہ تک دن رات کی مسلسل کوششوں کے بعد اس تالیف کو مکمل کر کے ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

جن تواریخ سے یہ حالات درج کئے گئے ہیں اُنھیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

۱۔ تاریخ غیر مطبوعہ مؤلفہ جناب قبلہ ڈپٹی سید غلام حسینؑ صاحب جعفری بھرسری مرحوم مغفور جس کی تکمیل اُن کے فرزند ارجمند قبلہ سید محمد صاحب منجھوجی اور پوتے قبلہ حکیم الحکما سید محمد ابوتراب صاحب نے بعد کے حالات کا اضافہ کر کے فرمائی۔

۲۔ اوارجہ جات و دیگر ریکارڈ موجودہ دیوانان دفتر راج بھرتپور و سکے۔ کتبے موجودہ یادگار چشم دید حالات (روایات زبان زد عوام)

۳۔ تواریخ ریاست بھرتپور وقائع راجستان۔ رپورٹ تشخیص بندوبست جاٹ اتھاس۔ چندر ونش بھاشکر صولت افغانی۔ تاریخ بھرتپور وحید الدین و بلدیو سنگھ و محمد صدیق۔ تاریخ انڈیا مؤلفہ ایشری پرشاد و تاریخ ہندوستان و پاکستان مؤلفہ سید عبدالقادر صاحب۔ رپورٹ جے۔ ایچ مارشل اڈیٹر ہسٹوریکل سوسائٹی کلکتہ بے پناہ مظالم بھرتپور مصنفہ زیدی۔ رہبر زائرین۔ مصائب الابرار۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب پہلا

ریاست بھرتپور

جائے وقوع اور نام | ریاست بھرتپور مشرقی راجپوتانہ میں ایک چھوٹی جاٹ ریاست تھی جس کے شرق میں ضلع آگرہ و متھرا، غرب میں ریاست جے پور۔ الور، جنوب میں جے پور۔ قرولی، شمال میں ضلع گوڑگانوہ ہے۔ سنہ ۱۷۰۱ء میں اس مقام پر فتح پور نام کا ایک قریہ تھا۔ سنہ ۱۷۱۵ء میں سوگر یا سگر یوگڈھ اور سنہ ۱۷۱۹ء میں بھرتپور نام ہوا

مردم شماری | مردم شماری سنہ ۱۹۴۱ء کے مطابق کل تعداد مردمان پانچ لاکھ تریسٹھ ہزار ایک سو تراسی تھی جن میں (۴۴۹۰۹۱) چار لاکھ انچاس ہزار اکیانوے ہندو ایک لاکھ دس ہزار دو سو چھیانوے مسلمان۔ دو سو پچاس کرسچین۔ آٹھ سو بائیس

سکھ اور دو ہزار سات سو چوبیس جین تھے۔ مسلمانوں میں اہل سنت و اہل تشیع کی تعداد شامل ہے۔ ہندوؤں میں اچھوت۔ جاٹ۔ گوجر اور دیگر ہندو شامل ہیں۔

تعداد دیہات مال گذاری و آمدنی اور رقبہ ریاست | چودہ سو دیہات میں سات بڑے قصبے۔ ستتر گاؤں غیر آباد اس ریاست میں تھے۔ مال گذاری مستقل قریب چوبیس لاکھ اور کل مستقل آمدنی ریاست سنہ ۱۹۴۷ء تک تقریباً چھیالیس لاکھ تھی۔

کل رقبہ بموجب پیمائش سروے سنہ ۱۸۵۸ء ۹۷۴٫۲٫۰۷ مربع میل تھا۔

زبان | دفاتر کی زبان بیشتر فارسی، حسابی کام ہندی میں اُس کے بعد اُردو۔ حسابی کام ہندی میں۔ سنہ ۱۹۱۹ء سے ہندی ناگری و انگریزی ہوگئی مگر صرف رسم الخط ہندی ناگری میں بدلا گیا زبان اُردو ہی استعمال ہوتی رہی۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے ہندی ناگری میں سنسکرت الفاظ شامل کر دئے گئے۔ عوام کی زبان اگرچہ برج بھاشا مشہور تھی مگر اُس میں بیشتر الفاظ اُردو و فارسی کے مستعمل ہوتے رہے۔ مسلمانوں کی زبان خالص اردو تھی۔

قومی اختلاف اور مذہبی رواداری | اگرچہ اس ریاست کے باشندوں میں قومی اختلاف بہت زیادہ تھا۔ زیادہ آبادی ہندو دھرم کی پیرو تھی۔ شہری مسلمان تقریباً دس ہزار باقی میو مسلمان تھے۔ مگر کبھی کوئی مذہبی تصادم قابل ذکر اس ریاست میں نہیں ہوا اور پچھلے حکمرانوں کا برتاؤ بھی اپنی رعایا کے ساتھ رواداری کا رہ کر ہمیشہ غیر متعصبانہ رویہ رہا۔ مسلمان رعایا بھی ہمیشہ نہایت وفادارانہ

جذبات کا ثبوت دیتی رہی۔

آخر مہاراجہ بھرتپور اور اُن کا مسلمان رعایا کے ساتھ برتاؤ

اخیر مہاراجہ ریاست بھرتپور سری برجیندر سنگھ بہادر کے سر سے زمانہ نابالغی میں باپ۔ ماں کا سایہ اُٹھ گیا۔ نگرانی گورنمنٹ برطانیہ آپ کو انگلینڈ تعلیم و تربیت کے لئے بھیج دیا گیا قریب سات سال وہاں تعلیم پائی سنہ ۱۹۳۸ء میں وہاں سے واپسی ہوئی۔ مصاحبت میں زیادہ تر برہمن۔ جاٹ۔ گوجر ناعاقبت اندیش اور خود غرض ایسے رہے جو مہاراجہ کو خالص ہندو دھرم کی تلقین کر کے مسلمانوں کے خلاف ذہنیت پیدا کراتے رہے مہاراجہ کے خاندان کی رشتہ داریاں ریاست پٹیالہ۔ فرید کوٹ سکھ ریاستوں میں۔ مہاراجہ کے چھوٹے بھائی کا رشتہ ریاست کپورتھلہ اور خود مہاراجہ کی شادی ریاست میسور میں ہوئی۔ ان مقامات کے حکمران اور شاہی خاندان بھی مذہبی لحاظ سے مسلمانوں کے خلاف ہی جذبات رکھنے والے تھے۔ ان واقعات کی موجودگی میں جاٹ لیڈران نے جو جنگ عظیم کے بعد گروہ بندی کر کے قوت پکڑنے لگے تھے اُبھرنا شروع کیا۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے جاٹ لیڈر سر چھوٹو رام کو خاص اقتدار پیدا ہو گیا جن کے توسل نے مہاراجہ بھرتپور کو خصوصیت کے ساتھ جاٹ پرستی کا پرستار بنا دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھرتپور ریاست کی عنانِ حکومت پورے طور پر جاٹ قوم کے افراد کے ہاتھ میں پہونچ گئی۔ راؤ صاحب ٹھاکر حکم سنگھ جاٹ ضلع بلند شہر دیوان ریاست۔ جگرام سنگھ جاٹ رہتک

انسپکٹر جنرل پولس - چودھری رگھبیر سنگھ جاٹ رہتک ریونیو منسٹر - گھاسی رام جاٹ رہتک کمانڈنگ ملٹری افیسر جے - ایچ - آئی - افیسران پردیسی خاص طور پر ریاست میں مقرر ہوئے اور ان سب نے بھرتپور کے قدیم لٹیرے خاندانی جاٹوں کو اپنے میں شریک کرکے سازشوں کا جال پھیلایا - ۸ رمارچ ۱۹۴۷ء کو کانگریس نے قائد اعظم کے تدبر اور ریاست سے ہر سیاسی میدان میں مات کھاکر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی اسکیمیں تیار کرنی شروع کیں - اس کام کے لئے بھرتپور کو مرکز بناکر ٹرائل کیں یہاں سے شروع کیا جانا تجویز ہوا - اور اس سلسلہ میں ۱۶ ر اپریل ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا جاٹ کانفرنس بصدارت سردار بلدیو سنگھ سکھ ڈیفنس منسٹر انڈیا بھرتپور میں منعقد کی گئی اور اس میں جاٹستان کی خیالی تعمیر کی گئی جس کے پایہ تخت دہلی کا فرضی تاج دل خوش کن نظموں کے ذریعہ سے مہاراجہ بھرتپور کے سر پہ رکھدیا - اور مہاراجہ کو یقین کرادیا کہ وہ جاٹوں کا سب سے بڑا لیڈر ہے - اس کے بعد جاٹوں کو نہایت خطرناک ترغیبیں دے کر بہت سخت اور اشتعال انگیز تقریریں مسلمانوں کے خلاف کرائی گئیں جن سے ہندو عوام کی ذہنیت ایکدم مسلمانوں کے خلاف اس درجہ بدلی کہ قانونی خلاف ورزیاں کرتے ہوئے قتل و غارت پر آمادہ ہوگئے -

۲ رجون ۱۹۴۷ء تک ملحقہ دیہات میوات میں اشتعال انگیزیاں اور حملے ہوتے رہے - ۳ رجون ۱۹۴۷ء سے علاقہ میوات ریاست بھرتپور میں جاٹ - گوجر اور

دیگر ہندوؤں کے گروہ اور ریاست کی فوج و پولیس بمعیت گراج سرن سنگھ عرف بچو سنگھ برادر مہاراجہ بھرتپور جو ملیٹری سیکرٹری بھی بنا دیا گیا تھا مسلح ہو کر مسلمانوں کے دیہات پر حملے کرنے لگے اور قتل و غارت۔ وحشیانہ مظالم۔ خوفناک تباہی میوات میں شروع کر دی۔ بڑھتے بڑھتے یہ حملے اکھے گڈھ اور ۲۵ جون ۱۹۴۷ء کو قصبہ ندبئی اور شرقی و جنوبی علاقہ جات ریاست کے دیہات میں بھی پھیل گئے۔

مسلمان اور خاص طور پر سادات ریاست بھرتپور مہاراجہ اور اُن کے حکام و جاٹ۔ گوجر لیڈروں کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے رہے اور ایک پمفلٹ کے ذریعہ قیام ریاست سے اب تک کے بنیادی تعلقات، بزرگان کے احسانات اپنی وفادارانہ خدمات اور بھائی بندی و یگانگت کی یاد دلائی اور اس کی ایک ہزار کاپی اردو و ہندی شہر و دیہات میں تقسیم کی گئیں جس کے جواب میں جاٹ لیڈران نے ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کو ایک پمفلٹ کے ذریعے اعلان بھی کیا کہ سادات بھرتپور کے احسانات ہمیشہ سے عام اہل ہنود اور خاص طور پر جاٹ قوم اور حکمران ریاست کے اوپر رہے ہیں ہمارا اُن سے بھائی بندی کا برتاؤ رہا ہے ہم پر اُن کی حفاظت اور خدمت فرض ہے وہ کسی قسم کا خوف نہ کریں۔ مگر یہ سب کچھ دھوکا نکلا اور بقول سر مائیکل او ڈائر سیٹلمینٹ کمشنر بندوبست بھرتپور۔ الور جو بعد میں پنجاب کے گورنر ہوئے اپنی رپورٹ بندوبست کے اردو ترجمہ صفحہ ۱۷ پر زیر دفعہ ۲۰ لکھتے ہیں کہ جاٹوں کا میلان طبیعت اس قدر اُن پر غالب رہتا ہے

کہ وہ لوٹ مار کرنے سے باز نہیں آتے۔ روسی زبان میں ایک مثل ہے کہ شہر میں بھیڑیے کو پال کر خواہ کتنا ہی موٹا تازہ کیا جائے مگر اس کی نگاہ ہمیشہ جنگل کی طرف رہتی ہے۔ اسی قول کے بموجب جاٹوں نے عمل کیا۔

۱۵ ستمبر ۱۹۴۷ء تک ریاست کے گوشے گوشے اور خاص شہر بھرتپور سے مسلمانوں کو قتل و غارت، وحشیانہ مظالم کے ذریعے نکال کر جیسی کہ پہلے سے تجویز تھی باقی تقریباً پندرہ سو مجبور مسلمانوں کو بجبر و تعدی شدھی کے ذریعے ہندو بنا لیا گیا اور اس طرح یہ ریاست مسلمانوں سے قطعی خالی ہو گئی۔

بعد میں کانگریسی حکومت ہونے پر کچھ مسلمان پھر آباد کر لئے گئے ہیں شدھی شدہ مسلمانوں میں سے بھی بہت سے اصلی مذہب پر واپس آ گئے۔ علاقہ میوات میں بھی میوؤں کو آباد کیا جا رہا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں جاٹ حکومت ختم کر کے اول کانگریسی حکومت قائم ہوئی۔ مہاراجہ صاحب کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کر کے کچھ اعزاز باقی رکھے گئے۔ زاں بعد استصواب رائے عامہ کے ذریعے اب یہ ریاست راجستان یونین میں شامل کر دی گئی ہے جس کے صدر مہاراجہ صاحب سوائی ریاست جے پور ہیں۔

۱۷۲۲ء سے ۱۹۴۷ء تک سوا دو سو برس جاٹوں کی حکومت محض مسلمانوں کی قوت۔ حمایت۔ سیاست کے بل بوتے پر قائم رہی۔ جب مسلمان ریاست

سے ختم کئے گئے تو ریاست بھی ختم ہو گئی۔ سُنا ہے کہ اپنے فعل سے مہاراجہ بھرتپور بعد میں بہت پچھتائے۔ مگر

(چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی)

باب دوسرا

تاریخ قدیم

بالاتفاق مورخین لکھتے ہیں کہ جب راجہ بجے پال والیٔ بیانہ کا استیصال خواجہ ابوبکر قندھاری سپہ سالار فوج غزنویہ نے کر دیا تو اعزاو متوسلین راجہ گرد و نواح بیانہ کے جنگلوں میں آوارہ پھرنے لگے۔ سوہن پال عرف سوہی نے جو متوسلین سے تھا موضع سنسنی علاقہ ڈیگ میں قدم جمائے اور بڑھتے بڑھتے اس مقام پر جاٹ گروہ بن گئے جنھوں نے ڈکیتیاں کرنا شروع کر دیں۔ اسی نسل میں اول راجہ رام اور اُس کے بعد چورامن جاٹ جو سنسوار کہلانے لگے اس نواح میں بہت قوت پکڑ گئے۔ چورامن جاٹ مورث اعلیٰ مہاراجہ بھرتپور شاہی علاقہ میں لوٹ مار اور ڈکیتیاں و دیگر وارداتیں کرنے لگا۔ بہت سے قریب کے

دیہات پر اُس نے قابو بھی پالیا۔ بمقتضائے وقت بزمانہ فرخ سیر بادشاہ چوڑامن کے دبانے کو قریب ۱۱۲۷ھ یا ۱۷۱۵ء سید حسن علی امیر الامرا سادات بارہ مشہور کنگ میکر۔ وزیر سلطنت نے چوڑامن اور اُس کے بھتیجے بدن سنگھ کو جو بعد میں بھرت پور کا سب سے پہلا راجہ ہوا۔ راہدار خاں کا خطاب دے کر دہلی۔ اجمیر۔ آگرہ کے راستوں کی حفاظت سپرد کر دی اور پانچ پرگنات قصبہ ہیلک ندبئی۔ کٹھومر۔ نگر۔ اؤ ان کو عطا کر دئے۔ مگر چوڑامن ڈکیتی اور لوٹ مار سے باز نہ آیا چنانچہ پانچوں پرگنات پھر علاقہ شاہی میں واپس لے لئے گئے۔

۱۷۱۶ء میں جب چوڑامن نے قتل و غارت اور لوٹ مار کی وارداتیں علاقہ شاہی میں زیادہ کیں تو اُس کو دبانے کے لئے مہاراجہ سوائی جے سنگھ والی جے پور کو بھیجا گیا جن کے ہمراہ بدن سنگھ بھتیجہ چوڑامن بھی تھا جو چچا سے خلاف ہو کر مہاراجہ سوائی جے سنگھ والیٔ جے پور کے یہاں ملازم ہو گیا تھا۔

مہاراجہ سوائی جے پور نے چوڑامن کی کچی گڑھی واقع تھون متصلہ سنسنی کا محاصرہ کر لیا اور عرصہ تک جاٹوں کو تنگ و پریشان کیا تو چوڑامن نے بوساطت سادات ہیلک و بہر سر جن سے میل جول کر رکھا تھا بامداد سید حسن علی امیر الامرا وزیر سلطنت بادشاہ سے صلح کر لی اور آئندہ لوٹ مار و ڈکیتیاں نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے امیر الامرا موصوف کی سفارش پر اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کی گذر اوقات کے لئے ایک علاقہ اُس کو عطا کر دیا جن میں اُس کے مقبوضہ

انھی دیہات پرگنہ ڈیگ کے علاوہ دیگر ملحقہ پرگنات جو آگرہ متھرا میں شامل تھے اور کچھ دیہات شاہی علاقہ آگرہ متھرا۔ گوڑگانوہ وغیرہ سے لیکر اور شامل کر کے ایک ریاست کا بھرت پورا کر دیا۔ اسی نوعیت پر اس کا نام بھرت پور رکھا گیا۔ جہاں پہلے اس مقام پر فتح پور نام کا قریہ تھا۔

شاہان دہلی میں بزمانہ محمد شاہ غازی طائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ سید حسن علی امیرالامرا و سید عبداللہ سادات بارہ وزیران سلطنت مشہور کنگ میکر بسازش اراکین سلطنت قتل کرا دئیے گئے جن کی حمایت سادات ہیلک و پہرسر کو حاصل تھی۔ جاٹ حکمراں اس علاقہ میں قوت پکڑ گئے علاوہ ازیں سادات کو جاٹ حکمرانوں نے اتحاد کر کے اپنا لیا اور اپنی عملداری میں خاص مراعات دینی شروع کر دیں۔ افواج و دیگر شعبہ جات ریاست میں جلیل القدر عہدوں کے مالک بنا دئیے۔ چورامن کو اُس کے بیٹے حکم سنگھ نے زہر دے کر مار دیا۔ جاٹوں نے بحمایت سادات ہیلک و پہرسر بمدد مہاراجہ سوائی جے سنگھ والئی جے پور بدن سنگھ کو ۱۷۲۲ء میں اس علاقہ کا راجہ قرار دے دیا۔ بدن سنگھ اور اُس کے بیٹے سورج مل نے رستم و کھیم کرن جاٹ سوگریہ سے بمدد سادات مذکورہ بالا گڑھی سوگریہ یا فتح پور نامی قریہ خالی کرا کے ایک مستحکم قلعہ بنا لیا اور اسی مقام کو ریاست کا دارالحکومت قرار دیا۔ قلعہ و علاقہ بیانہ پر بھی جاٹوں کا قبضہ ہو گیا تو سادات کے

مواضعات اور اُن کے مقبوضات جاگیر و معافی یعنی بیانہ۔ بھر سر۔ ہیلک۔ ندبئی۔ اوٗ
بھٹادلی۔ اوچین۔ پچونہ۔ آغا پور عرف اگھاپور۔ بھوساور۔ روپ باس۔ سید پورہ
رارہ وغیرہ بھی اسی جاٹ ریاست میں شامل ہوگئے اور اس طرح سادات کا
تعلق اس جاٹ ریاست سے ہو گیا۔

باب تیسرا

مہاراجگان بھرتپور اور سادات کے کیا تعلقات رہے تفصیلاً تو انشاء اللہ
مقتدر و مشاہیر سادات کے تذکرہ میں جو بسلسلہ شجرۃ النسب لکھے جائیں گے درج
ہوں گے مگر اس مقام پر ایک ہندی نظم کے چند وہ اشعار جو معرفت پنڈت
گلاب سنگھ برادر محترم شاد صاحب بھرتپوری نے حاصل کیے ہیں ناظرین کی دلچسپی
کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس نظم کی بابت پنڈت صاحب سے معلوم ہوا
کہ گڈھ گنگا سیٹرہ متصل تحصیل فیروز آباد نواح دہلی پر جب بڑ گوجر وہاں کے حکمراں تھے
مہاراجہ سورج مل والیٔ بھرتپور سے جنگ ہوئی اور اُس کو میراں محمد پناہ رضوی
البیلکی سپہ سالار نے معہ اپنی فوج سادات بھرتپور فتح کیا تو مہاراجہ صاحب موصوف
نے نظم میں اُس کے واقعات سوبھا رام کبیشر چتر ویدی پنڈت صاحب کے بزرگ
سے درج کرائے۔ مصنف نے اس جنگ کو ہندی نظم میں لکھ کر اس کتاب کا نام

چتراولی رکھا جس کے صلہ میں مہاراجہ صاحب موصوف نے مصنف کو چھتیس ہزار روپیہ انعام عطا کیا۔ ان اشعار کے پڑھنے سے ناظرین پر واضح ہوگا کہ میر محمد پناہ اور اُن کے سرداران فوج نے کس طرح مہاراجگان کی رفاقت میں اپنے سینے سپر کئے اور ریاست کی حفاظت کی اور اُن کی طرف سے مہاراجگان کے کیسے خیالات رہے۔ اُن کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے اس نظم سے بخوبی ظاہر ہیں۔

(نظم بزبان ہندی)

سوبھا کی کتھنا سُنو سورج مل بلوان
دل بل سے جیتن چلو گھاسیڑہ استھان

رنڑ بھومی پہ چھائے کے دئی توپ دھمکائے
گھاسیڑہ پر جا چڑھے بل شالی ریبائے

گڈھ گونڈے میں دیکھ کے فوجن کی لنگتار
مرجھائے دہلائے کے گوجر کے پمدار

خانزادے برودھی بنے پر کرتی کا پھیر
دل شتروں میں مل گئے گھور گیا اندھیر

شیخ بیٹھ مدھو را یبئیں گوجر کے ست سنگ
دھتکاری دوشٹی بنے ڈاری رنگ میں بھنگ

پٹھان شتروتا ٹھان کر پوڑ گئے مکھ موڑ
پینگورے کے جاٹ رے لڑے کھیت جی توڑ

ساجن بھوجن پائے کے یارن کیے گن گائیں
دل گوجر میں بیٹھ کے میو ملیدہ کھائیں

تلو ریہ بلرام سنگھ گھات کرے ار تھات
سینا کی گنتی کہے کرے نہ سانچی بات

گوجر سے سید لڑے، لڑے جاٹ سے جاٹ
کھیڑی سے کھیڑی بھڑی بھڑے کاٹ سے کاٹ

میر بھلے میراں بھلے۔ بھلے سری مہاراج
پگ پاچھے ڈاریں نہیں کریں نہ کھوٹے کاج

گڈھ گھاسیڑہ پر چڑھے میر پناہی جائے
بڑ گوجر ہا کریں برو شکستی گائے

شترو دے رات میں جب سگرے دل گئے ہار — کھانڈا لیکر پل پڑے گوکل رام جی گوڑ
محمد آبادی میر کو سب دیکھیں سنگرام — پگ جانے دھرتی پڑی شترو کرے پرنام
لکھوا ہے پرتاب سنگھ میرن کے سنگ جائے — گڈھ گھا سیڑھ کے بیچ بھنورا سا بھنائے
میر اسحاق دبائے کے جب ماریں تلوار — اک دل کے دو دل کریں اور کردیں دو دو چار
کرم علی کے کرودھ سے رنڈ بھومی تھرائے — میر محب کے بھاؤ کی ساکھ کہی نا جائے
فیض محمد سنگھ تھے سورج مل کے سنگ — بل ماریں دل بیچ میں سمان بلی بجرنگ
ارشد میراں ڈٹ رہے دیکھو تن کے ٹھاٹ — علی ولی کھکر اڑے جو کر دئے بارہ باٹ
گاج الدین کی سانگ سے سنکلپ ہوئی جائے — رُوریں جب بل مار کے دل بادل پھٹ جائے
بیس فتح سنگھ جا اڑے مانو سنگھ سمان — برڈ گوجر مرجھائے کے بولے کھان اور پان
میر بہادر من چلا سو بے شستر پل کھائے — رنڈ چنڈی بل مار کے ماربنا مرجائے
سورج مل کو سوریہ او دے بھیو تھے کال — جوت پڑی نس پھل بھئے گھا سیڑ کے تال
ہرنارائن میدسنگھ اودے سنگھ بلوان — جا دل پہ بیجھک پڑیں کھودیں نام و نشان
جب دل میرن کو چلو جاٹن کے دل بیچ — بل شالی رنڈ میں اڑے رنڈ سے بھاگے نیچ
گج سنگھ - شیو سنگھ - برج سنگھ راجندر ترلوک — جب کھانڈا لیکر اڑیں آئے کال بے روک
چھتوں اور للکار رہے میر بڑے بلوان — ویر ارجن اور بھیم کے ان نے کاٹے کان
بدن سنگھ سمراٹ ہیں میرن کا اتے بھاؤ — دُردی جن جل جل مریں کھائیں شستر گھاؤ
سمیر سنگھ بلرام سنگھ رتنا ہیں گرلچھ پنکھ — رام سنگھ اور دلیپ سنگھ اور لیب سنگھ ہیں سنکھ

واحد جی سیناپتی راجہ کے گُنڑ گائیں / گدی کی بچیار رکھیں اور شترو مار بھگائیں

ہاشم میراں جب چلیں مغلن کے کر توڑ / کرم ہین شترو گریں دھرتی سے سر پھوڑ

ندی ناڈ سہنیوگ ہے جاٹ میر کا میل / جاٹن کو دیپک دپے میر چوڈالیں تیل

میر سہائیک ہے رہے جیتو دیش اور راج / بپتا پڑی جو کٹ گئی مہر کری گراج

شیو کرنا پرتیج سے جاٹ راج گھبرائے / دربھ لوٹ پالن کرے اور بھونٹی سوگند کھائے

میر باندرابن گئے پھل توڑیں اور کھائیں / گھاسیٹرے کی لوٹ ہوا اور دتی کے گن گائیں

داسع گھوڑا میر کے ہاتھ میں رنڈ کی باگ / دل بادل پہ چھا گئے رکت ہے کھیلے پھاگ

نور محمد میر کا سائینکال سنگرام / دیکھت رنڈ چنڈی کرے جوڑ کے کر پرنام

الہ یار نے جا سے لئی سترہی تان / یُدھا یُدھ تیاگ کے چھوڑن لگے پران

میر جاٹ کے میل کا جاٹ راج میں رنگ / جیسے جھنگے میں رہے دامن چولی سنگ

یہ نظم بھی بہت بوسیدہ کاغذ پر ہندی میں لکھی ہوئی تھی جس کو بمشکل پنڈت گلاب سنگھ نے پڑھا افسوس کہ پوری نظم دستیاب نہ ہو سکی۔ اب دیہہ وار ذکر اُن مقامات کا کیا جاتا ہے جو سادات سے متعلق ہیں۔

باب چوتھا

قصبہ بیانہ

جائے وقوع قصبہ بیانہ متعلق ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ صدر مقام بھرتپور سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر بجانب گوشہ جنوب و مغرب واقع ہے۔ ½۲ میل کے فاصلہ پر بی۔ بی اینڈ سی۔ آئی ریلوے کا جنکشن اسٹیشن ہے جہاں سے آگرہ اور بھرتپور کو ٹرین جاتی ہیں۔ اس قصبہ کے شرق میں ندی بان گنگا کچھ حصہ جنوب میں کھلا ہوا میدان و نالہ وغیرہ باقی جنوب و غرب میں پہاڑ۔ شمال میں پہاڑیاں اور کھلا میدان ہے۔ اس جگہ تحصیل نظامت۔ منصفی۔ پولیس اسٹیشن۔ مویشی خانہ۔ اسپتال۔ اسکول۔ کسٹم چوکیاں اور صدر دفتر و دیگر سرکاری دفاتر ہیں جو مثل ایک ضلع کے درجہ رکھتا ہے جس میں مجسٹریٹ درجہ اول و دیگر افسران رہتے ہیں۔

آبادی و عمارات زیادہ تر آبادی و بازار پختہ مشرق کی جانب ہے۔ عمارات سرکاری آبادی کے وسط میں ہیں۔ عموماً مکانات سنگین بنے ہوئے ہیں۔ قریب سات ہزار اشخاص کی آبادی قصبہ کی ۱۹۴۷ء تک رہی جس میں قریب دو ہزار مسلمان باقی اہل ہنود آباد تھے۔ سادات کی آبادی زیادہ تر زیر کوہ تھی جن کے پختہ سنگین مکانات بنے ہوئے ہیں

اُن میں بعض بعض بڑے عالی شان مثل محل کے ہیں۔ اگست ۱۹۴۷ء تک قریب ساٹھ مکانات اور تین سو مردمان کی آبادی سادات اثنا عشری کی تھی جن میں زیادہ تر خاندان قضیات سے تھے۔ ایک مسجد محلہ سادات میں تھی جس میں روزانہ پنج وقتہ نماز ہوتی تھی۔ شاہی زمانہ کی تعمیر کردہ مساجد بہت سی مختلف مقامات پر اس قصبہ میں ہیں۔ ہزار ہا پختہ مقابر شاہی زمانہ کی بہت پرانی بنی ہوئی ہیں۔ سیکڑوں قبروں کو مسمار کر کے اہل ہنود نے اُن پر کاشت کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہت بڑے بڑے مقبرے بھی مشاہیر مسلمانوں کے بنے ہوئے ہیں جن میں بہت سے معمولی اور زیادہ تر بوسیدہ حالت میں ہیں۔ ایک امام باڑہ محلہ سادات میں تھا جس میں علاوہ معمولی مجالس کے عشرہ محرم میں چار مجالس ہوتی تھیں۔ سادات صوم وصلوٰۃ و مذہبی رسومات کے پابند تھے۔ ایک کربلا قصبہ کے غرب میں تھی جہاں محرم میں تعزیہ دفن ہوتے تھے۔

زمینداری سادات | سادات کی اس قصبہ اور قرب وجوار دیہات میں کافی زمینداری تھی اس قصبہ سے ملا ہوا موضع سرائے سید علی سالم سادات کی زمینداری کا تھا۔ زیادہ تر سادات زمینداری و کاشتکاری پیشہ تھے۔ علاوہ ریاست کے علاقہ برٹش انڈیا و دیگر ریاستوں میں بہت سے سادات ملازم بھی تھے۔ سادات کے بنائے ہوئے متعدد چاہات اور کئی باغ اس قصبہ میں تھے۔ علم وفضل میں سادات بیانہ ہمیشہ ممتاز رہے۔ دیگر تفصیلی حالات کا ذخیرہ جو ہمارے پاس تھا بھرتپور میں رہ گیا اور یہاں ہم کو معلوم

نہ ہو سکے اس لئے درج کرنے سے مجبوری ہے۔

زوال سادات بیانہ

زوال و بربادی سادات بیانہ

جہاں تک ہم کو حالات معلوم ہو سکے درج کئے جاتے ہیں کہ میوات اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ جات میں آخر جون ۱۹۴۷ء تک ریاست کی فوج اور پولیس کی امداد سے جاٹ۔ گوجر و دیگر اہل ہنود نے بعیت گراج سرن سنگھ عرف بچو سنگھ ملیٹری سیکرٹری مسلمانوں کا قتل و غارت کیا اور وہ علاقہ جات مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گئے۔ ریاست کے جنوبی حصہ کے مقامات پر منظم حملے ابھی تک نہیں ہوئے تھے البتہ دیہات میں جلسہ کر کے جاٹ گوجر لیڈران جو غنڈہ ازم کے سرگروہ بن گئے تھے وہاں کی ہندو پبلک کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر آمادہ کر رہے تھے کہ یکایک جولائی و اگست ۱۹۴۷ء میں یہ تحریک کچھ دب گئی اور کسی خاص مصلحت کے تحت ریاست و غنڈہ لیڈران کا رویہ بدلا اور مسلمانوں کو مطمئن کیا جانے لگا کہ میوات کے علاوہ دیگر مقامات پر اب کچھ نہ ہوگا بعد اعلان تقسیم ہند پھر حملے ہونے شروع ہوئے۔ ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قریب بیس ہزار جاٹ۔ گوجر و دیگر اہل ہنود سے جن میں ٹھاکر راجپوت شامل نہیں تھے حملہ کرانے کی تحریک پایا۔ مہاراجہ بھرتپور لیڈران نے کی مگر چودھری تیج سنگھ تحصیلدار و مسٹر جگن ناتھ پرشاد اروڑہ مجسٹریٹ ضلع بیانہ نے اپنے انصاف پسندانہ نظریے اور رواداری کے

طریقے کو بلا خوف مہاراجہ صاحب بھرتپور قائم رکھتے ہوئے حملہ آوروں کو جو آبادی کے قریب آچکے تھے سمجھا بجھا کر اُن کے دیہات میں واپس کر دیا۔ اس ناکامیابی پر جاٹ گوجر لیڈران نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کو مطمئن کرنا شروع کیا اور دیہات میں پھر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا۔ مہاراجہ بھرتپور نے بھی سرگروہ افسران سے دیہات کی پبلک پر حملہ کرنے کا آرڈر دلوایا۔ اور پھر جاٹ۔ گوجر۔ مینہ۔ چمار و دیگر قوموں کو زبردستی دیگر تحصیلات کے مواضعات سے لیکر ہندو لیڈر حملہ آور ہوئے جن کے ساتھ بچو سنگھ بھی تھا۔ قریب تیس ہزار آدمیوں کا حملہ آور ہونا بتایا جاتا ہے مگر شجاع اور بہادر مسلمانوں نے بھی جو بہت تھوڑی تعداد میں تھے چار پانچ مقامات پر مورچہ قائم کر کے ان حملہ آور راور لٹیروں کا مقابلہ کیا اور کئی دن تک مقابلہ کرتے رہے۔ بہت سے حملہ آور مارے گئے۔ مسلمانوں کے محلوں میں ہندوؤں کو قدم نہ رکھنے دیا۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کی دہشت بھی طاری تھی کیونکہ ہمیشہ سے اس قصبہ کے مسلمان جنگجو مشہور تھے۔ جب حملہ آور کامیاب نہ ہوئے تو خود مہاراجہ بھرتپور معہ اپنے بھائی بچو سنگھ اور چند دیگر فوجی و پولیس افسران بیانہ پہونچے اور مسلمانوں کو اپنے پاس بلا کر پہلے اُن کی ہمت افزائی کی اور پھر دھوکہ سے سرغنہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے جیل بھرتپور بھیج دیا۔ اس کارروائی سے مسلمان مایوس ہو گئے اور پھر ترک وطن کر کے جس کو جہاں جانے کا راستہ ملا چلا گیا بہت سے اسٹیشن بیانہ پر پہونچے اور وہاں سے ٹرین پر سوار ہو کر گنگا پور۔ آگرہ و دیگر

مقامات پر چلے گئے۔ اس طرح یہ قصبہ مسلمانوں سے قطعی خالی ہو گیا اور سادات بھی لاکھوں روپیہ کی مالیت کا سامان اور جائداد۔ علمی نسخہ کا ذخیرہ چھوڑ کر زیادہ تر آگرہ شاہ گنج پہونچے وہاں سے مملکت پاکستان میں آ کر پناہ لی اور اُن میں سے بہت سے کراچی باقی دیگر مقامات پر بڑی کس مپرسی کی حالت میں کیمپوں، فلیٹ اور فٹ پاتھ وغیرہ پر دن گذار رہے ہیں۔

باب پانچواں

تاریخ قدیم

تاریخ قدیم بیانہ اہل ہند کی مستند اور متبرک کتب سے قصبہ بیانہ کے وجود کا پتہ کرشن کے زمانہ سے بھی پہلے تک کا چلتا ہے کہ جس کا زمانہ بقول ڈاکٹر ہینٹر صاحب و دیگر اہل یورپ چودہ سو قبل پیدائش مسیح ہوتا ہے۔ کرشن کی ولادت سے پہلے متھرا میں راجہ سورشین راکشش حکمران تھا اور سرزمین بیانہ بھی اسی کے علاقہ میں تھی۔ اس تمام علاقہ کو سورشین دیس کہتے تھے۔ اس راجہ کی لڑکی مسماۃ دیوکی، راجہ باسدیو جادون چندربنشی کو بیاہی تھی جس سے متھرا میں کرشن پیدا ہوا۔ کنس راکشش بھی راجہ

سورشین کا بیٹا تھا جس کو کرشن اُس کے بھانجے نے ظلم کرنے کی بنا پر دنگل میں ہلاک کر دیا۔ کرشن کے زمانہ میں راجہ بانا سُر راکشش غیر آریہ نے جو خاندان سورشین سے تھا۔ بیانہ کے پہاڑ پر جہاں اب قلعہ بیانہ بنا ہوا ہے بود و باش اختیار کی اور اس نے اپنی قوم پر حکومت بزورِ شمشیر حاصل کر کے رفتہ رفتہ سردار بن بیٹھا۔ بیانہ کے پہاڑ پر ایک قلعہ معہ محلات تعمیر کرایا اور اپنی حکومت پوری قوت کے ساتھ قائم کر لی اور بڑا زبردست راجہ مشہور ہو گیا۔ قدیم بھاٹوں کی کتابیں بتاتی ہیں کہ اس سے پہلے یہ مقام کرشن کی گئوؤں کی چراگاہ تھا اور گئو حد تک اُن کے چرانے کی حد مقرر تھی۔ اس پہاڑ پر شب کو گئوئیں شب باش ہوتی تھیں اور گوالیوں کے چھپر تھے۔ بعد میں یہ گوالیے پہاڑ کے نیچے رہنے لگے۔ ایک شخص جو گوال باوا کے نام سے مشہور تھا وہ کرشن کے گوالیوں کی نسل سے تھا اُس کی گپھا پہاڑ کے دامن میں جانب مشرق فی زمانہ بھی موجود ہے۔ الغرض ابتدا میں بیانہ و قلعہ بیانہ کی بنیاد بانا سُر کی ڈالی ہوئی تحقیق سے پائی جاتی ہے۔ راجہ بانا سُر اور کرشن میں ابتداءً قلعہ بیانہ پر لڑائی کا ہونا پرانی روایات اور ہندی کتب سے پایا جاتا ہے۔ اس لڑائی کا حال ہندی مورخین نے اس طرح لکھا ہے کہ راجہ بانا سُر کی دختر اوکھا نامی نہایت خوبصورت بلکہ رشکِ قمر جوان دلکش تھی اُس نے خواب میں کرشن کے پوتے ہر دیو من عرف انرود کو دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گئی اُس کی ایک سہیلی چندر لکھا عرف سیاہ چتر لیکھا تھی جو فنِ مصوری سے واقف تھی جب اوکھا نے اپنا راز اپنی اس سہیلی سے کہا تو وہ اُس کے دلربا

کی متلاشی ہوئی اور بہت سے راجاؤں کی تصاویر بنا بنا کر اوکھا کے سامنے پیش کرتی رہی مگر اُن میں کوئی تصویر اُس کے محبوب کی نہ نکلی جب چترلیکھا نے کرشن اور اُس کے خاندان کی تصاویر بنا کر پیش کیں تو ہردیومن عرف انرودھ کی تصویر کو دیکھ کر پہچانا اور اُس کے وصال کی طالب ہوئی۔ بہزار کوشش اُس جوان رعنا کو بیانہ بلوا کر دام محبت میں گرفتار کیا اور محلات میں چھپا کر رکھا۔ ایک روز راجہ بانا سُر اوکھا کے محل کے قریب سے گذرا مخبر نے خبر کی کہ ہردیومن عرف انرودھ کرشن کا پوتا محلات میں چھپا ہوا ہے۔ راجہ فوراً محل کے اندر پہونچا۔ ہردیومن عرف انرودھ کو مصروف لہو ولعب پاکر غضبناک ہوا اور اُس کو ایک کنوئیں میں قید کر دیا۔ ادھر عرصہ سے کرشن اپنے پوتے کے احوال کا متجسس تھا۔ ہردیومن عرف انرودھ کے قید کی خبر پا کر دوارکا سے فوج لایا اور بیانہ پر چڑھائی کر دی۔ بانا سُر بھی نبرد آزما ہوا۔ چونکہ اوکھا مہادیو کی پرستش کیا کرتی تھی جسب عقائد اہل ہنود مہادیو نے عالم قدم سے آکر بانا سُر کی مدد کی اور اُس کا طرفدار بن گیا۔ جانبین میں خوب نبرد آزمائی ہوئی دونوں کے لشکر ایک ہی مقام پر قریب قریب تھے یکایک وبائی بخار لشکر میں پھیل گیا بانا سُر کے لشکر میں زیادہ نقصان ہوا۔ آخر مہادیو نے اس بنا پر صلح کرادی کہ اوکھا۔ ہردیومن عرف انرودھ کو بیاہ دی جائے فریقین اس پر راضی ہوگئے اور دونوں کی شادی کردی گئی۔ کرشن اس شادی کے بعد واپس دوارکا چلا گیا۔

مشہور اوکھا مندر اُسی زمانہ کی مصرہی ساخت کا اب تک بلدۂ بیانہ میں موجود

ہے۔ اُس کے دیکھنے سے مصریوں کی یہ صنعت کہ وہ عمارتوں میں زیادہ تر ستون
لگانا پسند کرتے تھے ظاہر ہے۔ اگرچہ ہر زمانے میں اس مندر میں ترمیم ہوتی رہی
مگر ساخت کی اصلیت ابھی تک موجود ہے۔ اب اس مندر میں بجائے لِنگ
مہادیو کے کرشن کی مورت کی پرستش ہوتی ہے۔ باناسُر اور اُس کی اولاد مدت
تک بیانہ میں حکمراں رہی چونکہ اوّلاً باناسُر نے بیانہ کے پہاڑ پر بود و باش اختیار کی
اس لیئے اس قصبہ کا نام باناسُر پورہ ہوا جو کثرت استعمال سے بانا پھر بیانہ ہو گیا۔
اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ باناسُر سے قبل اس مقام پر کوئی آبادی نہ تھی۔
ہر قصبہ و قریہ کی شہرت اُس کے بانی کے نام پر ہوا کرتی ہے۔ اکثر مورخین یہ بھی
کہتے ہیں کہ بانا ندی کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے اس کو بانا یا بیانہ کہا
جاتا ہے جیسا کہ دریائے جہلم پر شہر جہلم آباد ہے لیکن موخرالذکر بیان کچھ وقعت
نہیں رکھتا جبکہ باناسُر کا ابتدا میں اس مقام کو آباد کرنا دیگر مؤرخین کے بیان سے
ثابت ہے۔ باناسُر اور اُس کی اولاد کے بعد بیانہ کے فرمانرواؤں کا مسلسل پتہ
نہیں چلتا مگر ساتھ ہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بعد خاندان باناسُر ایسا عظیم الشان
قلعہ کسی فرمانروا سے خالی رہا ہو۔ اغلباً بعد حکومت راکشسوں کے یہ قلعہ
چندربنشیوں کے قبضہ میں رہا جن کی حکومت اندرپرست یعنی دہلی میں مہابھارت
کی لڑائی کے بعد قائم ہو گئی تھی جس کا پہلا راجہ جدعشٹر ہوا ہے کیونکہ اُس کا
آغاز کرشن کی جنگ سے جو باناسُر سے ہو چکی تھی ہو گیا تھا۔ بعض کی یہ رائے ہے

کہ راجگان متھرا کے اقتدار میں رہا۔ یہ امر بھی کچھ بعید از عقل نہیں کیونکہ راجگان متھرا بھی چندر بنشی کرشن کی اولاد سے تھے۔ بہر حال عرصہ دراز تک جب تک کہ سنہا والوں کا زور ہندوستان میں نہ ہوا تھا چندر بنشیوں کا خواہ کرشن کی اولاد سے ہوں یا اُس کے غیر بیانہ پر حکمراں رہنا پایا جاتا ہے اور پھر اسی طور پر سلسلہ حکومت قائم ہوتا رہا۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل تذکرہ معلوم ہوتا ہے جو منجھو جی سید محمد اپنی تحقیقات میں لکھتے ہیں کہ :-

قلعہ کے اندر جس قدر عمارتیں ہیں وہ سمت ۴۰۹ بکرمی سے پہلے کی بنی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں۔ جین مندر جس کو تیلی کی لاٹھ کہتے ہیں وہ سب سے زیادہ قدیم بودھ مذہب والوں کا مندر ہے جس کی ساخت سے اُس کی قدامت ثابت ہوتی ہے اس مندر میں جو مورتی رکھی ہیں منجملہ اُن کے ایک مورت کی کمر کے نیچے سمت ۴۰۹ بکرمی کندہ ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ قلعہ اور اُس کے اندر کی عمارات اُسی زمانہ میں تعمیر ہوئیں۔ پالی زبان میں بودھوں کے حروفی کتبہ جات جو اطراف راجستان میں بکثرت ملتے ہیں جن میں کنشک یا موریا۔ دھرما وغیرہ اقوام کے حالات پائے جاتے ہیں قلعہ بیانہ دگوالیار اور اوکھا مندر میں اُنھیں حروف کے کتبے بکثرت ملتے ہیں۔ سمت ۴۰۹ بکرمی کا زمانہ ستھین یا شاکا والوں کے عروج اور حملوں کا تھا جو بڑی شدت کے ساتھ راجپوت اور آریوں پر ہوتے رہے۔ اُن کی حکومتیں شمالی ہند سے متعلق رہیں۔ جیٹ اعظم کنشک یا سکتا کی حکومتیں سندھ و پنجاب اور مالوہ

وغیرہ میں قائم ہو چکی تھیں۔ بیانہ مالوہ میں شامل تھا۔ ممکن ہے اُس زمانہ میں یہ دونوں قلعہ جات گوالیار و بیانہ اُن کے تحت و تصرف میں آئے ہوں اور اُسی قوم نے یہ تعمیرات کرائی ہوں۔ مگر تواریخ کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ اس قسم کی پتھر کی کی لاٹھ اور کتبے اول اشوک نے جین مت چھوڑ کر جب بُدھ مت اختیار کیا تو اُس کی اشاعت کے لئے کندہ اور نصب کرائے۔ یہ کتبے سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو انگریزی زبان میں (Edicts of Asoka) کہتے ہیں یعنی اشوک کے فرامین۔ جو اُس نے اپنی رعایا کے نام جاری کئے تھے اور جن میں اس نے اپنے دھرم کی تعلیم دی تھی۔ یہ فرامین عام طور پر پالی زبان میں ہیں۔ جو بودھوں کی متبرک زبان ہے اور اُس زمانہ میں مگدھ (بہار) میں عام طور پر بولی اور لکھی جاتی تھی مگر اشوک کا زمانہ ۲۶۹ سال قبل مسیح تواریخ میں درج ہے۔ جین مندر اس سے بھی پہلے کا بنا ہوا بتایا جاتا ہے اس طرح سمت ۴۰۹ بکرمی کی مطابقت زمانۂ اشوک سے نہیں ہوتی۔ یہ سمت چندر گپت کی سلطنت کے زمانے میں تھا معلوم ہوتا ہے کہ سمت کے پڑھنے میں مغالطہ ہوا۔ یہ عمارتیں اور یادگار وغیرہ اشوک کے زمانہ کی تعمیر کی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس کو تقویت اس واقعے سے بھی پہونچتی ہے کہ سنہ ۱۹۴۶ء میں بیانہ سے چار میل کے قریب ایک گوجروں کے گاؤں میں جو موضع شلہ پور سے شمال کی جانب مشرقی پہاڑ کی تلیٹی میں واقع ہے کئی ہزار اشرفیوں کا ایک دفینہ برآمد ہوا جس پر اشوک کے زمانہ کی تصویر بنی ہوئی تھی جو راقم الحروف

نے بھی دیکھی تھیں اور وہ مہاراجہ بھدر تیجور کے پاس پہونچائیں گئیں۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چندر بنشیوں کے بعد اشوک کی سلطنت میں قلعہ بیانہ شامل ہو گیا اور اُسی وقت اس کا نام شری تھیتا پوری بھی رکھا گیا۔

بُدھ دھرم کے زمانہ عروج میں ہندوستان کے شمال مغربی دروں سے جو ایرانی۔ پارتھین ذخواسانی) یونانی۔ شاک۔ ترک ہن اور گوجر آئے تھے، راجپوت انھیں کی اولاد ہیں جیسا کہ مورخین کا خیال ہے اگرچہ راجپوت اصل و نسل کے متعلق اپنے کو کھشتری بتلاتے ہیں بعض اپنا سلسلہ نسب چندر بنشی خاندان سے ملاتے ہیں۔ بعض اپنے آپ کو سورج بنشی خاندان کی یادگار بتلاتے ہیں۔

راجپوت اپنی پیدائش کے متعلق ایک اور کہانی بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کھشتری راجاؤں نے بہت ظلم کیا تو ایک برہمن مہاتما نے جس کا نام پرسرام تھا۔ اُنھیں نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اُس نے ان سے جنگ کر کے اُن کی نسل کا نام و نشان مٹا دیا۔ چونکہ راج کرنا کھشتریوں کا کام تھا۔ کھشتری مٹ گئے تو راج پاٹ سنبھالنے والا کوئی نہ رہا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ بُدھ مت والوں نے جا بجا اپنی حکومتیں قائم کرلیں اور وہ برہمنوں کو تنگ کرنے لگے۔ آخر سارے رشی منی کوہ آبو واقع راجپوتانہ پر اکٹھے ہوئے۔ دیوتاؤں کو اپنی بپتا سنائی اور کہا کہ بُدھ راجاؤں کے ظلم سے ہم یگ اور ہون بھی نہیں کرسکتے۔ آخر دیوتاؤں نے ترس کھا کر ان کی آرزو پوری کردی یعنی ایک بہت

بڑے گڑھے میں آگ جلائی گئی اور اُس کے شعلوں سے چار سوبیر نکلے. جو راجپوتانہ کی چار مشہور ذاتوں راٹھور- چوہان- تنوار اور سوڈیا کے مورث اعلیٰ بنے اور یہ اگنی کل راجپوت کی نسلیں کہلاتی ہیں مگر مورخین اس کو صحیح نہیں مانتے۔

الغرض جو اجنبی قومیں بدھ دھرم کے زمانہ عروج میں ۵۰۰ء تک وارد ہندوستان ہوئیں وہ گروہ در گروہ اس ملک میں سیلاب کی طرح پھیل گئیں۔ ۷۵۰ء میں راجہ بال چند والئ مالوہ نے جس کو صاحب مرآۃ الغیاث عالی نے فریدوں کا ہم عصر تحریر کیا ہے (حالانکہ شاہ نامہ کی تحریر اور دیگر محققین کی تحقیق سے فریدوں کا زمانہ کرشن سے بھی پہلے کا بتایا جاتا ہے) گوالیار اور بیانہ کے قلعوں پر اپنا تسلّط کر لیا اور قدیم قلعہ از سر نو مرمت کرا کے مستحکم بنا لیا- یہ راجہ علم موسیقی کا بہت شائق تھا- اس نے اپنا دارالخلافہ گوالیار میں رکھا- اس کے بعد راجہ بجے پال کا حکمراں ہونا اکثر مورخین نے بیان کیا ہے جس کو کرشن اور اُس سے نیچے بال چند کی نسل میں بتایا جاتا ہے مگر یہ امر کسی تحقیق سے ثابت نہیں ہوتا اس کی نسل کی بابت بڑا اختلاف ہے- چنانچہ حکیم و شیخ وحید اللہ بدایونی و پنڈت بلدیو سنگھ سود یہ دوج مولفین تاریخ بھرتپور- محمد زردار خاں افغان ساکن قردلی مصنف حولت افغانی- ٹھاکر دیش راج مصنف جاٹ اتھاس- بابو جوالا سہائے ناظم مصنف وقائع راجستان اور پنڈت گوکل چند دیکھیت مصنف چندر ونش بھاسکر نے جو کرشن کے شجرۃ النسب لکھے ہیں جن میں مہاراجہ بجے پال کو کرشن کی نسل میں اور پھر مہاراجگان

قردلی وبھر تیور وغیرہ کو بھی بوجہ افتخار راجہ بجے پال کی نسل سے ملا دیا ہے صحیح نہیں ہے
اُن کے دیکھنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف نو دس پشت تک کے ناموں سے
ہر فرد واقف تھا اُس کے بعد فرضی ناموں سے بنا بر فخر و شرافت خاندانی، کرشن
سے جویادوں کی نسل سے تھا یکبار گی شجرۃ النسب کے سلسلہ کو ملا دیا ہے۔ اور
اسی سبب ہر ایک شجرہ میں نو دس پشت کے بعد اختلافی نام درج ہیں۔ ایک دوسرے
سے مطابقت نہیں کرتے۔ بعض کہتے ہیں کہ راجہ بجے پال پنجاب کے راج خاندان
سے تھا بعض کا خیال ہے کہ متھرا کے راجاؤں سے اس کا سلسلہ ہے مگر اس وجہ
سے کہ پنجاب کا شاہی خاندان قوم سے برہمن اور متھرا کے راجہ آسدیہ راجپوت
تھے کنشک نہیں تھے لائق اعتبار نہیں ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ یہ راجہ
سندھ پال بنگالے والے کی نسل سے تھا جو چٹیا ناگپور کے راج خاندان کا سر دفتر
تھا۔ ایک محقق انگریز جی۔ ایچ مارشل اسکوائر او فیسر ہسٹوریکل سوسائٹی کلکتہ نے
جو معہ اپنے عملے کے چٹیا ناگپور سے ۱۹۰۷ء میں بنا بر تحقیقات بیانہ میں آیا تھا
منجو جی سید محمد صاحب مرحوم و مغفور سے بیان کیا کہ چٹیا ناگپور کے راجہ کا ایک
بھائی بجے پال بیانہ میں حکمراں تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھا کر مارا
گیا۔ چٹیا ناگپور میں ہی ہم کو بیانہ کے کتبوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ علاوہ اس
اوفیسر کے دیگر وسائل سے بھی یہی امر تحقیق ہوا ہے۔ بشرح صاحب اپنی تالیف
میں لکھتے ہیں کہ مہا بھارت کے بعد بنگالے میں چار خاندان حکمراں رہے ان میں

سے تیسرے خاندان کے راجاؤں کے نام پال پر تھے۔ مورخوں کا اجماع ہے
کہ وہ راجہ بودھ مذہب رکھتے تھے۔ ان راجاؤں میں سے ایک راجہ دیوپال تھا
جو زبردست راجہ گذرا ہے۔ اس خاندان کی ایک شاخ چٹیا ناگپور جس کو چھوٹا
ناگپور بھی کہتے ہیں جو بہار کے جنوب اور بنگال کے مغرب میں ایک پہاڑی جگہ پر واقع
ہے اُس میں فرماں روا تھی اور ایک شاخ نے بیانہ آکر اور قلعہ کو فتح کر کے اُس پر
اپنا قبضہ کیا اسی خاندان کے کسی فرماں روا نے ایک ڈالی کے سُرخ پتھر کی ایک
لاٹھ بنوا کر نصب کی جو بھیم لاٹھ کے نام سے مشہور ہے اور وہ فی زمانہ بھی موجود ہے
جو قلعہ کے جنوبی سمت میں دُور سے خوشنما نظر آتی ہے۔

راجہ بجے پال اپنے باپ سنت پال کے انتقال کے بعد سمت ۱۰۵۲ مطابق
سنہ ۹۹۵ع (سنہ ۳۸۵ ہجری) میں مسندِ حکومت پر بیٹھا اور قلعہ کو از سر نو تعمیر و مرمت
کرا کے بجے مندر گڈھ اُس کا نام رکھا ساتھ ہی شری تھنیا پوری اور بیانہ بھی لوگ
کہتے رہے۔ بعد میں بیانہ نام سے ہی مشہور ہو گیا جو اب تک ہے) اور بزور شمشیر
اپنے باپ کی چھوٹی سی ریاست کو وسعت دے کر جانب شمال متھرا اور فیروز آباد
ضلع آگرہ۔ جنوب میں مالوہ۔ مشرق میں گوالیار۔ مغرب میں اجمیر کی حدوں تک
پہونچا دیا۔ ملک گیری اور فرماں روائی کے اصولوں سے بخوبی واقف تھا لیکن
نہایت ہی عیش پسند حسب دستور مہاراجگان تھا اس کے اُنتیس ۲۹ رانیاں اور
اٹھارہ لڑکے تھے باوجود اُنتیس ۲۹ رانیوں کے خواہش نفسانی بیحد رکھتا تھا۔ یہی

وجہ مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی ہوئی۔

باب چھٹا

سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور مختلف حکومتیں کارفرما تھیں۔ دلّی میں تنوار۔ اجمیر میں چوہان۔ قنوج میں گوجر۔ چتوڑ میں گہلوت۔ گجرات میں بگھیلا راجپوت حکمران تھے۔ پنجاب میں جے پال۔ مالوہ میں پرمار۔ مگدھ دیش میں بیدکل۔ دکھن میں یادو۔ مدراس مغیو کی طرف چولا۔ بنگال میں پال خاندانوں کی حکومت تھی اور جنوبی ریاستوں اور راجپوتانہ میں جُدا جُدا خود مختار فرماں روا تھے۔ راجپوت لڑنے بھڑنے کو اپنا دھرم سمجھتے تھے اور کبھی آرام سے نہیں بیٹھے اس لئے اُن میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ ملک گیری کی ہوس ہر قوت دار خاندان میں تھی۔ گھریلو زندگی بھی چنداں خوش گوار نہ تھی اور آپس میں تفرقے اور نااتفاقی زیادہ تھی جس سے تنزل اور کمزوری بڑھتی ہوئی تھی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مسلمانوں نے اس مُلک پر حملہ کیا تو ہندو اُن کا مقابلہ نہ کر سکے اور آخر اپنا ملک ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ بے شمار لوگوں نے مسلمانوں کا مذہب جو اخوت اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے قبول کر لیا۔

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر ۱۰۲۶ء تک متواتر سترہ حملے ہوئے اور بہت سے مقامات کو زیر وزبر کیا مگر مستقل اپنی حکومت کسی جگہ قائم نہیں کی۔ آخر حملے کے وقت قلعہ بیانہ پر راجہ بجے پال کا قبضہ تھا۔

مسٹر بوانٹر صاحب واقعات بوانٹری میں حالات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ بیانہ جو دہلی سے ۱۱۰ میل کی دوری پر جنوب کی جانب اور بھرتپور سے ۲۰ میل جنوب اور غرب کے گوشے میں ایک مشہور مقام ہے وہاں ابوبکر قندھاری کی قبر ہے جس نے ۵۱۲ھ ہجری میں بیانہ پر فتح پائی ہے یہ زمانہ احمد بن مسعود کی تخت نشینی کا ہے جس کی اوائل حکومت میں غزنی سے لشکر ہندوستان میں آیا ہے۔

مترجم صاحب عجائب الاصفار لکھتے ہیں کہ سالار مسعود غازی اسی لشکر کے سردار تھے کیونکہ بیانہ کے قلعہ کا فتح ہونا انھیں کے ہاتھ سے پایا جاتا ہے۔

کننگھم نے واقعات بیانہ میں لکھا ہے کہ بجے پال کو جس کی اولاد دہلی میں حکومت کر رہی ہے سالار مسعود غازی نے گیارھویں صدی کے وسط میں قتل کیا اور راجپوتوں کا دوبارہ قبضہ ہو جانے پر ابوبکر قندھاری نے تاخت و تاراج کیا۔

منشی جوالا سہائے ناظم وقائع راجستان میں حالات بھرتپور کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں کہ بجے پال کے زمانہ میں محمود غزنوی اول مرتبہ سنہ ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا اُس وقت آنند پال راجہ لاہور کا تھا اُس کے اور سلطان محمود کے درمیان

جنگ عظیم واقع ہوئی اور محمود نے فتح پائی اُس کے بھتیجے مسعود سالار غازی نے سنہ ۱۰۳۰ء مطابق سنہ ۴۲۱ ہجری میں بیانہ کو فتح کیا۔ سمت ۱۱۰۳ بکرمی میں شاہ ابوبکر قندھاری کہ خاندان محمود غزنوی کے معتمدوں میں سے تھا بیانہ پر حملہ آور ہوا اور راجہ بجے پال سے لڑکر بیانہ فتح کیا۔

سر مائیکل اوڈوائر سیٹلمنٹ کمشنر بھرتپور، اور جو بعد میں گورنر پنجاب ہوئے اپنی اردو ترجمہ کی رپورٹ تشخیص بندوبست متعلق تحصیلات روپ باس وغیرہ کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ گیارھویں صدی میں محمود غزنوی کے حملہ کے وقت بجے پال ایک جادوں خاندان کا راجپوت بیانہ میں حکمران تھا بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے ایک مسلمان لڑکی کو بالجبر چھین لیا بدیں وجہ سلطان محمود کے بھتیجے مسعود سالار نے سنہ ۱۰۳۱ء میں بیانہ پر حملہ کرکے اُس کو فتح کر لیا۔ بجے پال لڑائی میں مقتول ہوا لیکن راجپوتوں نے قلعہ جلد واپس لے لیا۔ سنہ ۱۰۴۶ء میں مشہور ابوبکر قندھاری نے اس قلعہ پر کامیابی کے ساتھ حملہ کیا۔ ابوبکر میدان کارزار میں مارا گیا۔ قبر اُس کی اب تک بیانہ میں دیکھنے میں آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سے بیانہ دہلی کے ہر ایک شاہی خاندان کے قبضہ میں رہا۔

حبیب السیر میں مرقوم ہے کہ ابراہیم ہفت ہزاری جو سالار ساہو کی فوج کے سپہ سالار اور سالار مسعود غازی کے استاد تھے اجمیر سے لشکر کثیر لیکر آئے اور بیانہ کو فتح کیا۔ اسی تاریخ میں مختلف مقامات پر ایسا بھی درج ہے کہ

۵۱۳ھ ہجری میں سلطان الدولہ ارسلان شاہ مارا گیا اور سلطان علاء الدین بہرام شاہ تخت نشین ہوا اُسی زمانہ میں ہندوستان پر لشکرکشی ہوئی اور اکثر قلعہ جات کو فتح کیا۔ اول قلعہ بیانہ بانا سُر کی اولاد سے چندربنسی دہلی کے راجہ نے چھین لیا۔ ۴۰۹ھ ہجری اور پھر سمت ۵۰۰ بکرمی میں راجہ ستھین جو بودھ مذہب ششوناگ بنسی تھا اُس نے قبضہ کرلیا اُس کے بعد بجے پال نے قلعہ بیانہ فتح کیا جس کا قبضہ سمت ۱۱۰۳ بکرمی تک رہا جس کو ابوبکر قندھاری نے فتح کیا۔

ڈپٹی سید غلام حسین صاحب جعفری بہرسری اپنی غیر مطبوعہ یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر مورخ نے زمانہ یا واقعات کی مطابقت کا قطعی لحاظ نہیں رکھا اور بیّن اختلاف پیدا کردیا ہے۔ ہر مورخ کے واقعات پر تنقید کرنا باعث طوالت ہوگا۔ صرف اتنا درج کرنا کافی ہے کہ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کا ہندوستان میں آنا اور بیانہ کو فتح کرنا کسی تاریخ میں درج نہیں ہے۔ سالار مسعود غازی ہمشیرزادہ سلطان محمود غزنوی تھے ان کا حال صاحب غزانامہ مسعودی نے اس طرح لکھا ہے کہ ان کی والدہ کا نام ستر معلیٰ تھا۔ سالار مسعود ۴۰۵ھ ہجری میں بمقام اجمیر پیدا ہوئے سنہ یہ تاریخ پیدائش لکھی ہے۔

قبلہ دین و کعبہ ایماں قطب عالم حبیب سبحانی

مصرعہ ثانی سے تاریخ پیدائش کے اعداد ۴۰۵ ہوتے ہیں اور بمقام بہرائچ ان کی وفات ہوئی جس کا ثبوت تاریخ وفات ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء

سے ملتا ہے۔ قبر پر یہ آیۃ قرآنی کندہ ہے۔ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ہ عدد آیت شریف کے ۴۲۴ ہوتے ہیں۔ جب سالار مسعود غازی کی وفات ۴۲۴ ہجری میں ہونا اس طرح ثابت ہوگیا اور اس سے قبل بیانہ پر مسلمانوں کا حملہ یا قبضہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ابتدائی لڑائی میں بجے پال کا مارا جانا راجپوتوں کی شکست مسلمانوں کا قبضہ ہونا متواتر روایات سے ثابت ہے ساتھ ہی کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ مسلمانوں کو بیانہ میں راجہ بجے پال کی موجودگی میں شکست ہوئی ایسی صورت میں سلطان مسعود بن محمود غزنوی یا سالار مسعود غازی بن سالار ساہو کا بیانہ کے قلعہ کو فتح کرنا کس طرح ماننے کے قابل ہے۔ خواجہ ابوبکری قندھاری سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں سپہ لار فوج تھے سلطان موصوف کی وفات ۴۲۱ھ میں ہونا تمام تواریخ سے ثابت ہے۔ بقول مسٹر بواظر ۵۱۲ ہجری بزمانہ احمد بن مسعود، وفات سلطان محمود سے ۹۱ سال بعد ابوبکر قندھاری کا بیانہ کو فتح کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے جبکہ سلطان نے اپنی حیات میں ابوبکر قندھاری کو حسن روغن گرکی دادرسی کے لئے بیانہ پہونچنے اور بجے پال کے استیصال کرنے کا حکم دیا تھا۔ کسی ایک مورخ نے غلطی کی ہے اور پھر اُسی کو دیگر مورخین نے نقل کیا معلوم ہوتا ہے۔ صاحب غزانامہ وظفرنامہ کی تحقیق اس معاملہ میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔ راجہ بجے پال کی لڑائی کو وہ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ بلدہ بیانہ میں ایک شخص حسن نامی جو روغن گر مشہور تھا ایک عرصہ سے رہتا تھا جس کی آمدورفت راجہ بجے پال کے محلات میں اس وجہ سے تھی کہ اُس کے سپرد

روغن پہونچانے کی خدمت تھی۔ اس روغن گر کے ایک دختر نہایت حسین اور جمیل تھی جس کے حسن وجمال کا شہرہ راجہ بجے پال تک پھونچا عیش پسند راجہ نادیدہ عاشق بن گیا۔ نہایت بیتاب و بے قرار ہوکر اپنے مصاحب ہری کرن برہمن کو معہ اُس کی جماعت برہمنان زُنّار داران جو موضع ملحقہ بیانہ میں رہتا تھا طلب کرکے حسن روغن گر کے مکان پر بھیجا اور کہا کہ حسن روغن گر کو کسی بھی صورت سے رضامند کرکے اُس کی دختر کو محلات میں لائے۔ ہری کرن معہ جماعت برہمنان حسن مذکور کے پاس اُس کے مکان پر پھونچا اور حقیقت حال کا اظہار کیا۔ حسن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا مگر حسن کی عورت نے جس کا نام شہلا تھا کہا کہ اے ہری کرن شاید شری تھنیا پوری دُپرانا نام جو پوڈھوں کے عہد حکومت میں رکھا گیا تھا سے راجہ کی جڑ اُجڑنے والی ہے کیونکہ رعیت کے ساتھ ایسا عمل روا نہیں ہے۔ ہری کرن راجہ کی خوشامد اور اُس سے نفع ذاتی حاصل کرنے کے لئے جب زیادہ مُصر ہوا تو شہلا نے کہا کہ اگر تم اور تمہارا راجہ اس خیال سے باز نہ آئے تو میں اپنا استغاثہ سلطان محمود غزنوی تک پھونچاؤں گی وہ آئے گا اور راجہ کو معہ اُس کے قبیلہ کے برباد کردے گا۔ اُس زمانہ میں سلطان محمود غزنوی کا حملہ سومناتھ کے مندر پر ہوچکا تھا اور ہندوستان میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی مگر ساتھ ہی اہل ہنود اُس کے نام سے جلتے تھے سلطان محمود کا نام سُننا تھا کہ ہری کرن مشتعل ہوا اور بجبر و تعدی حسن کی دختر کو پکڑ کر لے گیا اور کہہ گیا کہ تیری دختر ہمارے پاس امانت ہے ہم راجہ کے حکم سے مجبور ہیں تجھ کو جس جگہ

فریادی جانا ہو چلی جا اُس وقت حسن نے اپنی دختر کے نابرداشت صدمہ کو ضبط کیا اور فوراً مکہ معظمہ کو روانہ ہو گیا۔ اثناء راہ میں اُس نے غور کیا کہ یہ کام سلطان محمود سے ہی ہو گا چنانچہ غزنی کا قصد کر کے ایک عرصہ میں غزنی پہونچا۔ غزانامہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حسن روغن گر غزنی پہونچا ہے تو وہ دن عید الفطر کا تھا اور سلطان محمود معہ اراکین سلطنت نماز عید ادا کر چکا تھا جب سواری سلطان کی محل سرا کو جانے لگی تو حسن نے سرراہ قیام کر کے بآواز بلند اپنا استغاثہ سلطان تک پہونچایا۔ سلطان نے سواری رُکوائی اور حسن مستغیث کو اپنے پاس طلب کر کے حالات دریافت کرنے کے بعد تسلی اور دلاسا دے کر حکم دیا کہ ہم کافی طور پر تیرے ملزم کا انتظام کر دیں گے اور تیری دختر بھی تجھ کو واپس دلائی جائے گی۔

بیانہ میں راجہ بجے پال کو معلوم ہوا کہ حسن فریادی غزنی کو گیا ہے تو راجہ بیحد پریشان ہوا اور اُس نے سمجھ لیا کہ غزنی سے ضرور مسلمانوں کا لشکر حمایت اسلام میں آئے گا اور مجھ سے جنگ کرے گا۔ چنانچہ حسن روغن گر کی دختر کو اُس کی ماں شہلا کے پاس قصبہ بیانہ میں واپس بھیج دیا مگر اس کی اطلاع حسن کو نہ ہو سکی کیونکہ کوئی ذریعہ بیانہ سے غزنی تک اطلاع پہونچنے کا نہ تھا اور بجے پال متردد ہوتا ہوا گھبرا کر بمقام ناودی شکار کے بہانہ پہونچا جہاں ایک سیوڑہ برہمن جوتشی رہتا تھا جو علم نجوم و جوتش میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ راجہ بجے پال نے اُس سے کہا کہ یہ بتا کہ میرا راج کب تک قائم رہے گا۔ اُس نجومی نے اپنے حساب کامل کے ذریعے بتایا کہ

سمت ۱۱۰۳ بکرمی میں پھاگن سدی تیج کو بدھ کے دن ایک شخص ابوبکر نامی گجرات (پنجاب) کی طرف سے آکر اس قلعہ کو جو تو نے بجے مندر گڑھ کے نام سے مشہور کیا ہے جیت لیگا اور تیری ہار ہوگی۔ راجہ کو یہ سُن کر سخت تعجب ہوا اور جا بجا سے لشکر کی فراہمی کے احکام جاری کئے قلعہ کو ہر وقت بند رکھنے کا بھی حکم دیا۔

اُدھر غزنی میں سلطان محمود نے حسن مستغیث کے ساتھ خواجہ ابوبکر قندھاری اپنے سپہ سالار کو جن کی دلیری اور وفاداری پر اُس کو ناز تھا معہ بارہ ہزار سوار و امرائے کا مگار بیانہ پہنچ کر راجہ بجے پال کے استیصال اور حسن کی لڑکی کو واپس دلانے کا حکم دیا۔ خواجہ صاحب اس زمانہ میں لاہور تھے اُن کو فوراً طلب کیا گیا۔ اسی دوران میں یعنی ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ء مطابق سمت ۱۰۸۷ بکرمی میں سلطان محمود نے وفات پائی اور غزنی میں سلطان مسعود تخت نشین ہوا چنانچہ خطبہ و سکہ اُس کا جاری ہوا اور سلطان احمد صوبہ دار ہندوستان کا بنایا گیا۔

خواجہ ابوبکر قندھاری کی بیانہ کو روانگی

سنہ ۱۰۳۱ء میں بزمانہ سلطان مسعود خواجہ ابوبکر قندھاری بیانہ کو حمایت اسلام میں بنا بر لڑائی راجہ بجے پال ہمراہ حسن و غیرہ معہ دوازدہ ہزار سوار و امرائے کامگاہ روانہ ہوئے۔ نام سالاران حسب ذیل درج کئے ہیں۔

۵	۴	۳	۲	۱
شیخ فخر الدین	شیخ محمد	سید اشرف خاں	سید خان جہاں	سید سالار الدین

۷ شیخ داؤد ۸ سید امیر قطبیر ۹ قاضی سید محمد مسلم ۹ قاضی سید حسام الدین ۱۰ قاضی سید علی شیر ۱۱ مفتی سید حسن احمد۔

باب ساتواں

فتح لوہاگڈھی عرف جھرسر

جب لشکر سلطانی زیر کمان خواجہ صاحب وارد ہندوستان ہوکر لڑتا اور فتوحات کرتا۔ صعوبات سفر برداشت کرتا ہوا قریب دس سال کے عرصے میں بیانہ سے ۱۹ میل کے فاصلہ پر جانب شمال ۴۳۲ھ ہجری مطابق ۱۰۴۱ء میں پہونچا تو اثنار راہ میں ایک گڈھی علاقہ راجہ بجے پال کی ملی جس میں جوگی قوم کی آبادی تھی نام اس کا لوہاگڈھی بھی استحکام کے لحاظ پر تھا اور آبادی کو جوگی پورہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس گڈھی میں راجہ بجے پال کی فوج بسر کرو گی ایک عامل جانباز و وفادار خاندان بجے پال سے رہتی تھی۔ گرد و غبار لشکر شاہی کو دیکھ کر عامل گڈھی نے دریافت کرایا کہ یہ فوج کس کی ہے اور کہاں و کس ارادہ سے جاتی ہے لشکر شاہی سے جواب دیا گیا کہ یہ لشکر شاہی اسلامی غزنی سے آیا ہے بیانہ راجہ بجے پال کی سرکوبی کو جا رہا ہے۔ یہ سن کر عامل گڈھی معہ فوج لڑائی پر آمادہ ہوا اور مستعد جنگ ہوکر لشکر شاہی سے لڑا مگر اسلامی جانباز فوج کے

مقابلہ کی تاب نہ لاکر مارا گیا فوج بھی ماری گئی کچھ بیانہ کی طرف بھاگ گئی لشکر شاہی نے اس گڈھی کو ایک پہر میں سر کر لیا اس لئے اس مقام کا نام پہر سر رکھا گیا۔ چونکہ یہ لڑائی سنہ ۴۳۲ھ میں ہوئی تھی اس لئے تاریخی نام اس موضع کا سادات نے دار المومنین بھی رکھا جس کے اعداد ۴۳۲ ہوتے ہیں مگر مشہور عوام پہر سر ہی رہا۔ سید عبداللہ قلندر بن سید احمد جعفری شیرازی بھی اس لشکر سلطانی میں ساتھ تھے مشہور ہے کہ اُن سے بیانہ فتح کرنے میں کارہائے نمایاں ظہور میں آئے اسی بنا پر بعد فتح بیانہ یہ سالم موضع اُن کو نسلاً بعد نسلٍ بنا بر مدد معاش بارگاہ سلطانی سے معافی میں عطا ہوا۔

باب آٹھواں

لڑائی مضافات بیانہ | الغرض بعد فتح لوہا گڈھی جس کا نام پہر سر رکھا گیا لشکر سلطانی بیانہ کو روانہ ہوا راستہ میں موضع سر سینہ ملا اس مقام پر راجہ بجے پال کا ایک تھانہ بھی تھا اور دو عزیز قریبی راجہ بجے پال کے مسمّی رتن پال و چھاجن پال بنا بر تحفظ بیانہ، تھانہ پر تعینات تھے۔ چنانچہ لشکر شاہی نے اس مقام پر قیام کیا۔ ہر دو افسران بالا نے مزاحم ہو کر لشکر اسلامی کو روکا۔ غرض دونوں طرف سے

آتش جنگ بھڑکنے لگی یہاں تک کہ سالار سید سمار الدین اور چند ہمراہی مسلمان کام آئے جن کی قبور اب تک ایک میدان میں بنی ہوئی دور سے نظر آتی ہیں۔ تعویذہائے قبور بہت زیادہ خراب ہو چکے ہیں جو پڑھنے میں نہیں آتے۔ قرب جوار کے لوگ ان کو باباسمّا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان قبور پر سال میں ایک مرتبہ چادر بھی چڑھائی جاتی تھیں۔

المختصر بقیہ غازیان لشکر اسلامی نے راجہ کے دونوں اعزا کو معہ اُن کی فوج اور جماعت کے مار لیا جو بچے وہ بھاگ گئے۔ اس طور پر لشکر اسلامی نے یہاں بھی فتح پائی اور اہل ہنود کو شکست ہوئی۔ جب ان ہر دو مقامات کی لڑائیوں اور مسلمانوں کی فتح و لشکر شاہی کے بیانہ کی طرف آنے کی خبر راجہ بجے پال کو پہونچی تو وہ ایک لشکر گراں لیکر کمک کو آپہونچا مگر جب دیکھا کہ اُس کی فوج معہ افسران ماری گئی یا بھاگ گئی تو لشکر اسلامی سے نبرد آزما ہوا۔ ادھر بجے پال اور اُس کی فوج پہونچنے پر لشکر اسلامی پھر مستعد جنگ ہو گیا اور ایک ہی حملے میں راجہ بجے پال اور اُس کی فوج نے جس پر لشکر سلطانی کی ہیبت طاری ہو چکی تھی راہِ فرار اختیار کی اور ہندؤں کی اس شکست خوردہ فوج نے موضع دنا کھیڑہ میں جا کر پناہ لی۔ لشکر اسلامی بھی تعاقب کناں موضع دنا کھیڑہ میں جا پہونچا۔ چونکہ ہندؤں کی فوج کو اس مقام پر تھوڑی سی پناہ ملی تھی اس واسطے اس موضع کا نام تبدیل ہو کر پناہ مشہور ہو گیا جو اب کثرت استعمال سے پنہ کہا جاتا ہے اب یہ موضع تحصیل

روپ باس میں شامل ہے۔ اس مقام پر لشکر اسلامی کے پہونچنے پر راجہ بجے پال معہ فوج پریشان ہو کر نادلی و کھنٹاولی کی پہاڑیوں پر آ گئے۔ یہ ہر دو موضع پرگنہ بیانہ میں بیانہ سے قریب چار میل کے فاصلہ پر اب تک موجود ہیں۔ راجہ بجے پال نے اپنی فوج کی بار بار بھاگڑ دیکھ کر سمجھ لیا کہ میری فوج پر ہیبت لشکر سلطانی چھا گئی ہے اور سیوڑہ برہمن جوتشی کی بات بھی یاد آ گئی نقارۂ جنگ بجوا کر میدان جنگ میں آ گیا۔ طرفین سے خوب معرکہ آرائیاں ہوئیں۔

شاہی فوج کا بیانہ پر قیام اور فتح میں ناکامیابی

جب جنگ و جدال کافی ہو چکا اور جانبین کے کافی آدمی کام آ چکے تو حسب تحریر اقرار نامہ فریقین جو اُس وقت کے دستور کے مطابق ہوئی طرفین نے جنگ بند کر دی۔ لشکر سلطانی قلعہ سے قریب تین میل کے فاصلے پر میدان میں ڈیرے ڈال کر مقیم ہوا۔ راجہ کی فوج قلعہ میں جو پہاڑ پر نو میل مربع زمین کو گھیرے ہوئے سنگین فصیل کا بہت اونچائی پر مستحکم بنا ہوا ہے جمع ہو گئی اُن کے رسل و رسائل اور کمک کے ذرائع قلعہ کے جنوب کی طرف تھے جہاں چور دروازے اور راجہ کی فوج کا اجتماع قلعہ کے صدر دروازہ کے قریب تھا۔ قلعہ کے شرق اور جنوب میں ندی بان گنگا اور اُس کے معاون نالوں و چھوٹی پہاڑیوں کی وجہ سے اور غرب میں دور تک پہاڑی سلسلہ کے باعث فوج سلطانی کا قلعہ تک پہونچنا دشوار ہی نہیں بلکہ محال تھا۔ اس لئے شمال کی جانب سے حملے ہوتے رہے مگر اس لئے کامیاب نہیں ہوئے کہ راجہ کی فوج کو قلعہ کے اوپر سے

بلا کسی اپنے نقصان کے آسانی سے مدافعت کرنے کے کافی مواقع تھے چنانچہ ہر حملہ میں مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا یہ صورت ایک عرصہ تک قائم رہی جب کافی عرصہ ہوگیا تو یہ بھی روایت ہے کہ ایک روز خواجہ ابوبکر قندھاری سپہ سالار فوج نے بعد نماز درگاہ باری تعالیٰ میں فتح کے لئے دعا کی خواب میں کسی بزرگ نے کہا کہ گھبراتا کیوں ہے تیرے لشکر میں ایک قلندر مومن صالح ہے اُس سے دریافت کر۔ جب صبح ہوئی تو خواجہ صاحب نے اپنے لشکر میں اُس درویش حقیقت کیش کی ہر چند تلاش کی مگر پتہ نہ چلا کہ یکایک ایک آندھی کی شکل میں طوفان آیا جس سے اسلامی فوجی کیمپ کے خیمے ڈیرے بھی اُکھڑ گئے مگر ایک چھوٹا سا خیمہ اپنی جگہ قائم رہا اُس میں معمولی ایک چراغ جل رہا تھا اور ایک بزرگ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے خواجہ صاحب سے بھی ذکر کیا وہ فوراً اس درویش کے پاس آئے اور دعا کے لئے کہا۔ اُن قلندر بزرگ نے دعا کی اور بتلایا کہ کل پہاڑ کے شمال کی طرف جو گھاٹی ہے اُس طرف سے حملہ کرو انشاء اللہ تعالیٰ فتح جلد ہوگی۔

الغرض دوسرے روز گھاٹی گوٹھا کر جو ایک مشہور مقام ہے لڑائی کے لئے مقرر کر کے راجہ کو اطلاع دی گئی کہ اُس طرف سے لڑائی ہوگی۔ راجہ نے بھی مدافعت و مقابلہ کا کافی انتظام کر رکھا تھا۔

فتح بسیانہ | پھاگن بدی ۱۳ سمت ۱۱۰۳ بکرمی کو بعد نماز جمعہ لشکر خواجہ ابوبکر قندھاری

کا آراستہ ہو کر گھاٹی گوٹھا کر کو روانہ ہوا اور اس مقام پر سنیچر کی صبح سے منگل کے دن تک چار روز متواتر دونوں لشکروں کے درمیان جنگ عظیم ہوئی طرفین کے بہت آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کا لشکر لڑتا ہوا مقام کوٹ بگھاڑا تک آ گیا ہندوؤں کی فوج قلعہ کی جانب بھاگی اور بہت سی پہاڑ میں چھپ گئی۔ اس مقام پر خود راجہ بجے پال خواجہ صاحب کے مقابلہ میں آ گیا۔ تنہا دونوں میں جنگ ہوئی آخر کار نزدیک کنارہ نالہ جو کہ پانی کی کھڑکی مشہور ہے دونوں بہادر لڑتے ہوئے پہونچے۔ اس مقام پر راجہ بجے پال خواجہ ابوبکر قندھاری کے ہاتھ سے بُدھ کے روز پھاگن سدی ۳ سمت ۱۱۰۳ بکرمی کو مارا گیا اُس کے مرتے ہی مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ ہندو بہت مارے گئے جو بچے وہ ادھر اُدھر بھاگ کر جنگلوں میں جا چھپے اور پھر وہیں آوارہ پھرنے لگے۔

رانیوں کو جب راجہ کے مارے جانے اور اپنی شکست کا حال معلوم ہوا تو بغرض حفظ عزت اُنھوں نے سر پھوڑ پھوڑ کر اور قلعہ بیانہ کے دروازے پر خون بھرے ہوئے ہاتھوں کے پنجوں کے نشانات لگا کر جو اب تک دیکھے جاتے ہیں خود کو ہلاک کر دیا۔

اس واقعے کو بابو جوالا سہائے مصنف وقائع راجستان نے اس طرح لکھا ہے کہ رانیوں کو راجہ بارود پر بٹھا کر یہ کہہ گیا تھا کہ فوج کی واپسی کے وقت اگر زرد نشان دیکھو تو اپنی فتح اور سیاہ دیکھو تو دشمن کی فتح سمجھنا۔ دشمن کی فتح پر

اپنے کو بارود میں آگ لگاکر ختم کر لینا۔ اگرچہ فتح راجہ کو حاصل ہوئی اور ابو بکر قندھاری اس معرکہ میں مارا گیا جس کا مزار بیانہ میں موجود ہے مگر چونکہ فتح کی خوشی میں ملازمان راجہ کو زرد نشان آگے رکھنے کا خیال نہ رہا سب سے آگے سیاہ نشان لیکر راجہ کے آدمی بیانہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رانیوں نے راجہ کی شکست سمجھ کر خودکشی کر لی اور اپنے خون سے قلعہ بیانہ کے دروازے پر پنجے کے نقش لگائے کہ اب تک موجود ہیں۔ قبیلے کی تباہی سے راجہ کو بہت افسوس ہوا اور دشمن کے تعاقب میں کابل جاکر وہاں مر گیا۔ آگے یہی مورخ لکھتا ہے کہ ایک مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو بکر قندھاری کی فتح ہوئی تھی کہ اُس نے بیانہ پر قبضہ کیا اور راجہ کو نکال دیا۔ اس مورخ نے بجے پال کی فتح۔ رانیوں کو بارود پر بیٹھا کر جانا اور ساتھ ہی دروازے قلعہ پر خون آلود پنجہ کا نشان رانیوں کا لگانا اور پھر بجے پال کا کابل تک تعاقب میں پہونچنا اور وہاں اُس کی موت کا ہونا متضاد واقعات درج کئے ہیں۔ اگر فتح راجہ بجے پال کی ہوئی تھی تو پھر مسلمانوں کا قلعہ بیانہ پر کس طرح قبضہ ہوا۔ مورخ نے اس پر غور نہیں کیا۔ اسی طرح جب بارود پر بیٹھ کر خودکشی کا طریقہ بتلایا گیا تھا تو پھر خون آلود پنجوں کے نشانات دروازہ قلعہ پر ہونا کیا معنی رکھتے ہیں جب کہ اُن کی موجودگی فی زمانہ تک مورخ نے بتلائی ہے۔ اسی طرح کابل تک راجہ بجے پال والی بیانہ کا جانا کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔ محض مہاراجگان بھرتپور کی خوشنودی

کے لئے جن کو شجرۃ النسب کے اندر اسی راجہ بجے پال کی نسل میں دکھایا ہے مؤرخ نے بلا تحقیق یہ واقعات درج کر دیئے ہیں۔

اس لڑائی کے متعلق ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک تانبے کا پتر بمقام قرولی سے گلم حجام کو بوساطت ٹھاکر گلاب سنگھ ملا جس میں بزبان ہندی ناگری عبارت ذیل کندہ تھی۔

(ترجمہ عبارت)

کہو میری سم رام چھتریا۔ سری رام کرشن۔ سری مدن۔ سری رانا پوتوں پال بڑا جودھا جب تہتیا پر پڑا جوجھ بھیو۔ تب رانی سون دیو کی گود میں سے کنور دھرم پال کو نولانا ڈولے بھیجو۔ یانے میرا بیج بنس راکھو۔ سو یا کی بہت تپتیا کیا کرو۔ پیٹنہ پورا گادیں بخشش رہو۔ پہلے راج پور کی موہڑن بنائے نام لکھائیو بہت سا پھلو گے۔ راج پور کو ٹیکیت چھتریا اُدآون کا نشان ہے یا کی اور نام یا کو میٹے گو وا کو تین طلاق ہیں۔

گُلم حجام نے بیان کیا کہ یہ تانبے کا پتر اس طرح ملا کہ اس پر اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اس پتر کے متعلق جادوں راجپوت قوم کے آدمی سکنائے قرولی کا یہ کہنا ہے کہ یہاں اس طرح پر مشہور ہے کہ جب راجہ بجے پال ابوبکر قندھاری

سے لڑنے چلا تھا تو اپنے قبیلے سے یہ کہہ گیا تھا کہ اگر مسلمان لوگ بعد فتح سبز علم لیکر ہمارے قلعے میں آتے ہوئے نظر آئیں تو تم فوراً اپنے کو ہلاک کر ڈالنا۔ لڑائی شروع ہوئی اور فوج راجہ مسلمانوں پر غالب آئی یہاں تک کہ علم سبز مسلمانوں کے راجہ کی فوج نے چھین لئے تو خوشی کے جوش میں راجہ کے ملازم علم سبز لئے ہوئے قلعہ بیانہ میں واپس آنے لگے جب رانیوں نے علم سبز آتے دیکھے تو مغالطہ کھا کر اپنے کو ہلاک کر دیا۔ اُس وقت نولا حجام سون دیو رانی کی گود میں سے کنور دھرم پال کو اُٹھا کر بھاگا۔ راجہ بجے پال بعد فتح قلعہ بیانہ میں داخل ہو رہا تھا تو نولا حجام جو ہنوز قلعہ سے نہ نکلنے پایا تھا کنور دھرم پال کو گود میں لئے ہوئے روتا ہوا ملا راجہ نے رونے کا سبب پوچھا تو بتایا کہ مہاراج کا کل کٹم قبیلہ سر پھوڑ پھوڑ کر مر گیا۔ جب راجہ نے یہ سُنا تو نولا حجام کو یہ تانبہ کا پتر کندہ کرا کے دے دیا اور خود بھی ہلاک ہو گیا۔ پھر مسلمانوں نے قلعہ بیانہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی روایت کو کچھ ترمیم کے ساتھ مورخ وقائع راجستان نے نقل کیا معلوم ہوتا ہے۔

پتر کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ تون پال عرف تھن پال کا دیا ہوا یہ پتر ہے اور اسی کا لڑکا کنور دھرم پال تھا۔ اولاد و متوسلین راجہ بجے پال نے ۱۶ سولہ سال بعد بیانہ کو واپس لے لیا اُس کے بعد جب اس قلعہ پر لڑائی راجہ تون پال سے ہوئی ہے اُس وقت کا دیا ہوا یہ پتر معلوم ہوتا ہے نہ کہ ابتدائی

لڑائی اور راجہ بجے پال کا کیونکہ راجہ بجے پال کا خواجہ ابوبکر قندھاری کے ہاتھ سے مارا جانا زیادہ تر مورخین نے لکھا ہے اور پھر یہ بھی مسلم الثبوت امر ہے کہ بعد فتح بیانہ خواجہ صاحب نے عرصہ تک بیانہ پر حکمرانی کی ہے۔

باب نواں

بعد فتح بیانہ جاگیرات و معافی کا عطا ہونا

المختصر جنگ ختم ہونے پر جب پورے طور سے قلعہ بیانہ پر خواجہ ابوبکر قندھاری کا قبضہ ہوگیا تو اوّل خواجہ صاحب نے مسلمانوں کی لاشوں کو دفن کرایا جو زخمی تھے اُن کے علاج کا بندوبست کیا۔ اہل ہنود نے راجہ اور ہندوؤں کی لاشوں کو جلانے کی اجازت مانگی اُن کو اجازت دیدی۔ اُس کے بعد قلعہ میں معہ فوج قیام پذیر ہو کر درستی قلعہ اور تعمیر مکانات آبادی بیانہ میں مصروف ہوئے۔ عمائدین و افسران فوج سلطانی کو معافی و جاگیرات بخشنے کے لئے بارگاہ سلطانی میں سفارشات بھیجیں اور فوج کو انعامات تقسیم کئے۔ بارگاہ سلطانی سے فرامین نافذ ہونے پر مستحقین کو اسناد تقسیم ہوئیں اور قبضے دلائے گئے اُسی سلسلے میں سید عبداللہ قلندر جعفری شیرازی کو موضع بہر سر معافی میں اور دیگر مواضعات جاگیر میں عطا ہوئے جس کا مفصل

ذکر بہرسر کے حالات میں درج کیا جائے گا۔

ازسرنو آبادی بیانہ | آبادی قصبہ بیانہ کی از سرنو تعمیر اس طرح پر کرائی کہ ایک حصار بلدہ کے گرد چونہ اور پتھر سے تعمیر کرایا اور اس کے اندر حویلی اشرف خاں شمال دیہ متصل ہزاری باغ تعمیر ہوئی۔ حوض قبلنگ کا من گھٹ سنگین بنوایا۔ سالاری والا دامرو آوالا۔ نقی والا چاہات تعمیر کرا کے باغیچہ بنوایا اور مکانات شیخ محمد۔ شیخ فیروز شیخ فخر الدین۔ شیخ داؤد۔ محلات امیر قطمیر و حسام الدین فاضل و حویلی بلخیان و خان جہاں و عالم خاں متصل حوض قبلنگ۔ شرف خاں۔ ابو سعید والی متصل باغ سالاری کی تعمیرات ہوئیں۔ بلدہ کے باہر بھی عمارات تعمیر کیئے جانے کی ترغیب دی گئی وہاں بھی بہت سے مکانات تعمیر ہوئے۔ مختلف مقامات پر درخت ہائے ابنہ بھی لگائے۔ سالاری والے باغ کے قریب مقبرہ سید جلال سید پوری اور باغ امیر قطمیر اور حویلی مولانا نصیب مفتی و مدرس اور گھوگھس کے قریب حویلی سید علی اور بائیں باغ اور اُس کے نزدیک حویلی شرف الدین اور حویلی سید علی گندی اور حویلی محمد شاہ خاں و حویلی شیخ شرف الدین بھی اُسی زمانہ میں تعمیر ہوئیں۔ یہ سب سادات نسل شاہ محمد میں تھے مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ شاہ محمد کس نسل سے تھے۔

سنہ ۱۹۴۷ء تک اُس زمانہ کی یہ یادگار ٹوٹی پھوٹی عمارات بزبان حال کہتی تھیں کہ ہماری عزتیں رکھنے والے غیرت دار صفحہ دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں۔

ان تمام عمارات سے شان اسلام معلوم ہوتی تھی۔ غرض اس ترتیب سے شہر بیانہ کی عمارات تیار کرائی گئیں اور روز بروز آبادی بلدہ ترقی پر ہی رہی۔ اکثر اشخاص اہل فضل وکمال یہاں آکر آباد ہوئے۔ پٹھان ہمراہیان لشکر شاہی نے بھی اپنی بود وباش اسی قصبہ میں اختیار کی۔

سید عبداللہ قلندر و سید سکندر نے بھی بلدۂ بیانہ میں اپنے محلات اور دیگر سادات شیرازی نے اپنے مکانات تعمیر کرا کے محلہ شیرازیان اپنے وطن معروف کے نام پر موسوم کیے اور وہاں سکونت اختیار کی کہ محلہ شیرازیان بیانہ میں اب تک مشہور محلہ ہے۔ پورا تسلّط اور اطمینان ہوجانے پر اپنے اہل وعیال کو بھی اپنے وطن سے یہیں بلالیا۔ جب کہ ۴۳۷ھ ہجری میں قصبہ بیانہ ابوبکر قندھاری کے قبضے میں آگیا اور بلدۂ بیانہ میں عمارات بنوا کر اُس کو آباد کیا گیا تو بیانہ میں اکثر عالم وفاضل دور و دراز مقامات کے بلاکر آباد کیے گئے۔

اختلاف سمت بابت فتح بیانہ

اکثر مورخین نے سال فتح بیانہ میں اختلاف کیا ہے اس کے متعلق یہ دوہا بھی زبان زد عام ہے۔

گیارہ سو تہتر ا پھاگ تیج رب وار
بجے مندر گڈھ توڑے ابوبکر قندھار

اس سے عوام ۱۱۷۳ھ (گیارہ سو تہتر ہجری مراد لیتے ہیں مگر اس سمت کا زمانہ واقعات سے مطابقت نہیں کرتا۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات سمت ۱۰۸۷ بکرمی

مطابق ۱۰۳۰ء میں ہوئی اس کے ۸۶ سال بعد سمت ۱۱۷۳ بکرمی میں خواجہ ابوبکر قندھاری کے ذریعے فتح بیانہ ہونا سراسر خلاف عقل ہے جب کہ مابعد کے واقعہ سے ثابت ہے کہ خواجہ صاحب کی وفات فتح بیانہ کے بعد سمت ۱۱۱۹ بکرمی میں تھن پال سے لڑائی کے وقت بمقام بیانہ ہوئی اور وہیں اُن کا مزار ہے جو زیارت گاہ عام ہے دراصل تھوترا لفظ نہیں ہے بلکہ تنوترا ہے یعنی سمت ۱۱۰۳ بکرمی جس کو اکثر مورخین نے بھی لکھا ہے اور زمانہ و واقعات سے بھی مطابقت ہوتی ہے۔

باب دسواں

شکست بیانہ | ابھی اس اسلامی آبادی بیانہ کو سولہ سال کا عرصہ ہی گذرا تھا کہ ۴۵۳ھ ہجری مطابق سمت ۱۱۱۹ بکرمی مطابق ۱۰۶۳ء میں مسمیٰ تھن پال و مدن پال پس ماندگان راجہ بجے پال نے مقام تہنگر سے بنا پر انتقام لشکر کشی کر کے بیانہ پر حملہ کر دیا اول تو حملہ کنندگان پہلے سے ہی ہندوؤں کی جماعت کثیر لیکر آئے تھے علاوہ ازیں بیانہ کے اطراف و جوانب کے ہندو جو مسلمانوں کی بود و باش سے ناخوش تھے سب متفق العہد ہو کر آمادہ جنگ ہوئے اور اُن کے ساتھ مل گئے۔ بوجہ فساد باہمی سلطان محمود غزنوی کا خاندان بھی کمزور ہو گیا جس سے مسلمانوں

کی حکومت زوال پذیر ہونے لگی تھی۔ اس موقعے سے بھی حملہ کنندگان کو تقویت پہونچی۔ الغرض جب خواجہ ابو بکر قندھاری نے لشکر اہل ہنود کو آمادۂ کارزار پایا تو نہایت دلیری سے بجمعیت قلیل مقابل ہو کر داد مردانگی دی۔ اس جنگ میں بھی طرفین کے بہت آدمی مارے گئے چاروں طرف ہندوؤں کا مجمع نظر آتا تھا اور مسلمان بہت کم رہ گئے۔ آخر الامر خواجہ ابو بکر قندھاری تھن پال کے ہاتھ سے کام آئے کہ جن کا مزار آبادی سے قریب ایک میل جانب شمال زیارت گاہ عام ہے اور سنہ ۱۹۴۷ء تک مسلمان و اہل ہنود مرادیں مانگتے اور چادریں چڑھاتے رہے ہیں۔

بقیہ سرداران فوج یعنی اشرف خاں۔ عالم خاں۔ خان جہاں جن کے ہاتھ میدان جنگ تھا بدستور لڑتے رہے۔ یہ لڑائی ایک ماہ تک برابر ہوتی رہی آخر میں جوانان مذکور الصدر بھی کام آئے اور فتح تھن پال کو نصیب ہو کر قلعہ بیانہ پر اُس کا قبضہ ہوا جو راجہ تھن پال کے نام سے مشہور ہوا۔ جب اُس کی حکومت کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تو پھر کسی مسلمان کو اُس نے یا کسی ہندو نے نہیں ستایا اور مثل دیگر رعایا کے وہ بھی بدستور آباد رہے اور اُن کی معافیات و جاگیرات بھی بدستور بحال رہیں۔ اس کے بعد ۱۲۹ سال تک کے حالات کا پتہ نہیں چلتا کہ کس طرح حکومتیں بدلیں اور کون حکمراں رہا

ہندوستان پر شہاب الدین غوری کا حملہ اور ترائن کی جنگ سنہ ۱۱۹۱ء

سنہ ۱۱۹۱ء میں راجپوتوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر محمد غوری نے بھی ایک زبردست لشکر جمع کیا اور پرتھوی راج کے مقابلے کے لئے نکلا مگر شکست کھا کر واپس گیا۔ دوسرے سال سنہ ۱۱۹۲ء میں پھر ایک لشکر گراں لیکر آیا اور تھانیسر کے مقام پر پرتھوی راج کو شکست دی۔ اُس وقت قنوج پر راٹھور۔ دہلی، اجمیر پر چوہان۔ بنگال، بہار پر پال سین۔ بیانہ پر جادوں راجپوت حکومت کر رہے تھے۔ اُس کے بعد دہلی اور اجمیر پر محمد غوری کا قبضہ ہوگیا اور حکومت قطب الدین ایبک کے سپرد کر کے سلطان واپس چلا گیا۔

باب گیارھواں

سلطان شہاب الدین غوری کا بیانہ پر حملہ اور فتح بیانہ

سنہ ۵۹۲ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۶ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے بربنائے استغاثہ اہل اسلام جب کہ اُن کو جادوں راجپوت ستانے لگے بیانہ پر حملہ کیا۔ اُس وقت ایک دوسرا تھن پال نامی جادوں راجپوت جو راجہ بجے پال کی نسل سے نہ تھا بلکہ دوسرے خاندان سے تعلق رکھتا تھا حکمراں تھا چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری اور راجہ تھن پال جادوں راجپوت کے درمیان لڑائی ہوئی تھوڑے کشت و خون کے بعد سلطان موصوف نے فتح پائی اور قلعہ بیانہ پھر مسلمانوں

کے قبضے میں آگیا۔ بیانہ کے اس حملے میں میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی سپہ سالار خاص سپاہ غور سلطان کے ہمراہ تھے۔ جب فوج سلطانی نے راجہ تھن پال والی بیانہ کا بالکل قلع قمع کر دیا تو جہاں جہاں اس راجہ کے اعزا اور متوسلین فرماں روا تھے اُن کے استیصال کے واسطے افواج بسر کردگی افسران خاص مامور کی گئیں۔

فتح ندبئی و ہیلک وغیرہ ندبئی میں راجہ تھن پال کا بھائی اجے پال حکمراں تھا جو قلعہ مستحکم رکھتا تھا اُس کے فتح کرنے کو آصف خاں غوری معہ فوج تعینات ہوئے جنھوں نے اُس کو فتح کیا اور اُس کا نام آصف آباد رکھا مگر بار دگر مسلمانوں کا ہندوؤں سے بعد کی لڑائی میں نہ دبنے کے سبب ندبئی نام مشہور ہوا۔

میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی تھوڑی فوج لیکر بر بنائے استغاثہ اہلِ اسلام فتح نگر کوٹ (ہیلک) کو روانہ ہوئے اور تھوڑے کشت و خون کے بعد آپ نے اس مقام کو فتح کیا جو بعد فراغت جنگ پورا تسلط اسلامی حکومت ہوجانے پر آں جناب کو ہی معافی جاگیر میں عطا ہوا جس کا نام محمد آباد اور ہیلک ہوا اس کا مفصل حال ہیلک کے حالات میں درج کیا جائے گا۔

اؤ۔ پچونہ۔ آغاپور۔ بھوساور اور دیگر اُن مقامات کی فتح کے لئے جہاں جہاں جادوں راجپوت اپنے قدم جما کر حکمرانی کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کر رہے تھے دیگر سرداران فوج کو بھیجا گیا اور تھوڑے عرصے میں راجہ تھن پال کے کل علاقے

پر مسلمانوں کا قبضہ ہو کر مملکت بیانہ ان کے قبضہ و اقتدار میں آگئی۔

مملکت بیانہ کا سلطان بہاؤالدین کو عطا ہونا اور پھر شاہان دہلی کے قبضہ میں رہنا	بعد فتح بیانہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے مملکت بیانہ بہاؤالدین طغرل کو عنایت کی اور ایک لشکر گراں بھی عطا فرمایا جو رسالہ جات متعدد بماتحتی سید محمد غازی سپہ سالار تھے وہ بھی بہاؤالدین طغرل کی ماتحتی میں آگئے۔ بعد انتظام مملکت

بیانہ سلطان محمد غوری نے غزنی کو مراجعت فرمائی۔ ۵۹۴ھ ہجری مطابق ۱۱۹۸ء میں بہاؤالدین طغرل نے وفات پائی اور مملکت بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضے میں آئی جو کہ اجمیر میں حکمراں تھا۔

بیانہ کا ریاست بھرتپور میں شامل ہونا	اس کے بعد مملکت بیانہ محمد شاہ غازی کے زمانے تک مسلمان بادشاہان دہلی کے قبضہ و اقتدار میں رہی۔ ۱۷۲۲ء میں جب کہ

شاہان دہلی میں طائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی چوڑامن جاٹ سنسوار نے نواح بیانہ میں قوت پکڑلی۔ بمدد سادات بھر سر ہیلک و مہاراجہ سوائی جے سنگھ والئی جے پور۔ بدن سنگھ بھتیجہ چوڑامن جاٹ نے علاقہ و قلعہ بیانہ اپنے قبضہ و اقتدار میں لیکر ریاست بھرتپور میں شامل کرلیا جو اب تک اُسی میں شامل ہے۔

قضیات بیانہ	روایت ہے کہ بعد فتح خواجہ ابوبکر قندھاری نے بیانہ میں ایک

خاندان شاہ محمد کا بخارے سے طلب کر کے اُس کو قضیات عنایت فرمائی مگر عمائدین بیانہ کا اس میں یہ اصرار ہے کہ اوّل مرتبہ قضیات بیانہ میر مغیث الدین

بخاری کو سنہ ۶۹۵ ہجری میں بعہد علاء الدین خلجی عنایت ہوئی ہے ممکن ہے کہ یہ امر بھی کسی قدر صحیح ہو کیونکہ شاہ محمد بھی میر مغیث الدین بخاری سے اسی سلسلے میں چار پُشت اوپر کے بزرگ ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اوّلاً شاہ محمد کو خواجہ ابوبکر قندھاری نے بلاکر قضیات عنایت فرمائی اُن کے بعد زمانہ بدلنے پر کسی دوسرے خاندان میں قضیات منتقل ہو گئی اور پھر بعہد علاء الدین خلجی بحقوق قدیمانہ سنہ ۶۹۵ ہجری میں ۲۵۹ سال بعد اُسی خاندان کے بزرگ میر مغیث الدین بخاری کو قضیات ملی ہو۔

قاضی مغیث الدین بیانوی ملقب بہ مغیث زہد و اتقا، علم و عمل میں لاجواب اور فضل و کمال میں انتخاب تھے۔ تاریخ فرشتہ میں درج ہے کہ علاء الدین خلجی نے آپ کو طلب کر کے چند مسائل شرعی دریافت کئے قاضی صاحب موصوف نے بادشاہ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کرتے ہوئے ہر مسئلہ کا صاف صاف جواب دیا جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ بادشاہ جواب سُن کر بظاہر ناخوش ہوا لیکن دل میں سوچا کہ یہ شخص راست گو اور حق پسند ہے چنانچہ انعام و خلعت سے قاضی صاحب کو ممتاز فرمایا۔

بزمانہ علاء الدین خلجی وقت تشریف آوری قاضی مغیث الدین۔ قاضیان کی بیانہ میں آبادی بہت زیادہ ہو گئی یہاں تک کہ ایک محلہ قاضی باڑے کے نام سے موسوم ہوا۔ علاوہ ازیں اور مقامات پر بھی مکانات قاضیان بیانہ بلدہ بیانہ میں پائے جاتے ہیں بزمانہ قاضی مغیث الدین قاضیان بیانہ خوش حال رہے۔

اور روز بروز آبادی میں ترقی ہوتی رہی مگر بزمانہ قضیات قاضی ریاض الدین علی خاں قاضیان سے بیانہ خالی ہوگیا اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ فرماں روایان بھرتپور سے کوئی فرماں روا بہ سبیل تفریح بیانہ تشریف لائے اور اشتیاق ملاقات عمائدین بیانہ کا اظہار کرکے خود قاضی عزیز الدین یا اُن کے کسی احباب کے دولت کدہ کو رونق بخشی۔ قاضی صاحب اُس وقت عبادت الٰہی میں مصروف تھے۔ اطلاع ہوئی کہ کوئی مہاراج ملاقات کو تشریف لائے ہیں قاضی صاحب نے بے اعتنائی سے جواب دیا کہ اس وقت ہم عبادت الٰہی میں مشغول ہیں پھر ملیں گے۔ غالباً قاضی صاحب موصوف کو لفظ مہاراج سے یہ مغالطہ ہوا کہ کوئی برہمن صاحب قصبہ کے ملاقات کو آئے ہیں کیونکہ عام طور پر برہمن یا پنڈت کو بھی مہاراج کے لقب سے بولا جاتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ جناب مہاراجہ صاحب والی ریاست بھرتپور رونق افروز ہوئے ہیں تو ضرور قاضی صاحب بغرض استقبال و ملاقات تشریف لے آتے۔ غرض خادمان خاص نے جب بخدمت مہاراجہ صاحب یہ جواب پہونچایا تو مہاراجہ صاحب بلا ملاقات واپس آگئے اور مہاراجہ کو یہ خیال ہوا کہ قاضیان بیانہ بہت مغرور و متمرد ہیں چنانچہ کُل معافیات قاضیان یک قلم ضبط کرلیں۔ معافیات کی ضبطی سے سلسلہ معاش مسدود ہوگیا تو قاضیان بیانہ مختلف مقامات پر باہر چلے گئے۔ اُس وقت صرف ایک خاندان قاضی ریاض الدین علی خاں کا بیانہ میں باقی رہ گیا۔ بعد چندے قاضی صاحب موصوف

نے بھی نقل وطن کرنے کی تیاریاں کیں اور جملہ اسباب و قبیلے کو لیکر اُسی زمانے میں جانب قرولی روانہ ہوئے۔ مہاراجہ کو یہ خبر سُن کر کہ قاضیان بیانہ نقل وطن کر چکے اور کچھ کر رہے ہیں سخت افسوس ہوا۔ فرماں روائے وقت جو کسی تقریب سے قرولی گیا ہوا تھا واپس آرہا تھا کہ راستے میں رتھ قاضی ریاض الدین علی خاں کا جاتا ہوا ملا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قاضی ریاض الدین علی خاں نقل وطن کر کے جاتے ہیں۔ مہاراجہ صاحب نے حکم دیا کہ کچھ ملازمان بڑھ کر رتھ کو ٹھیرالیں اور خود مہاراجہ ممدوح قاضی صاحب موصوف کے پاس پہونچے۔ وجہ ترک سکونت دریافت کر کے مہاراجہ صاحب نے قاضی صاحب کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم نے آپ کی معافیات منضبطہ کو بحال کر دیا اور اُن کو بیانہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ صرف اُن کی اولاد بیانہ میں معافی دار رہ کر آباد رہی جو سنہ ۱۹۴۷ء کے قتل و غارت میں ترک سکونت کر کے مملکت پاکستان میں ہجرت کر آئی ہے۔

ذکر اولاد سید سکندر جعفری شیرازی

سید سکندر جعفری شیرازی برادر سید عبداللہ قلندر اور اُن کی اولاد بھی بیانہ میں آباد ہوئی اُن کی نسل سے سید فتح اللہ بڑے عالم اور مشہور بزرگ گذرے ہیں جن کو محمد جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں موضع بھوسا ور ملک و معافی میں عطا ہوا۔ فی زمانہ بیانہ میں ان کی نسل سے صرف ایک خاندان یعنی سید ابوالقاسم صاحب مختار مشہور قاضی آباد تھے یہ بھی دیگر مسلمانان بیانہ کے ساتھ ہجرت کر کے مملکت پاکستان میں معہ پلنے

خاندان کے آگئے ہیں۔ ایک دوسری شاخ اس خاندان کی آگرہ کٹرہ حاجی حسن میں رہتی تھی وہ بھی سب ہجرت کر کے مملکت پاکستان آگئے ہیں۔

غرض کہ بیانہ مسلمانوں سے کئی مرتبہ بنا اور بگڑا مگر اس طریقے پر کبھی خالی نہیں ہوا جس طرح اس مرتبہ ظالم جاٹ۔ گوجر اور دیگر اہل ہنود نے محض مسلمان ہونے کی بنا پر خالی کرایا۔ اگر قیامت قریب نہیں ہے تو نہ معلوم کتنی مرتبہ اور بنے، بگڑے گا مگر آئندہ ہندوؤں کے وجود باقی رہنے کا امکان بھی نظر نہیں آتا۔

اب اُن سادات بستیوں کے حالات درج کیے جاتے ہیں جن کا سلسلہ سادات بیانہ سے ہے۔

باب بارھواں

قصبہ بہرسر

قصبہ بہرسر متعلق تحصیل ندبئی ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ۔ صدر مقام جائے وقوع بھرتپور سے چودہ۱۴ میل کے فاصلے پر بجانب جنوب سڑک جے پور سے قریب

ایک میل دوری پر شمال کی طرف واقع ہے۔ اس کے گوشۂ شمال مغرب میں چھ میل کے فاصلے پر تحصیل ندبئی ہے جہاں بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی ریلوے کا اسٹیشن ہے۔

حقوق معافی دبسوہ داری معہ ذکر نذرانہ وحق بیوگان

یہ سالم گاؤں سادات جعفری اولاد سید شمس الدین کی ملکیت بسوہ داری و معافی دین شاہی کا ہے جس کا رقبہ بموجب فراین عطیہ شاہان سلف دو ہزار شش صد بیگہ اور پیمائش حال کے مطابق تین ہزار سات سو ستاون (۳۷۵۷) بیگہ پختہ یا ۱۵۰۰ ایکڑ ہے۔ زمین اعلیٰ قسم چاہی سیرابی۔ بارانی۔ بنجر ہے جس میں قسم اول کی اجناس ربیع گیہوں۔ جو۔ چنا۔ سرسوں وغیرہ۔ قسم دویم کی اجناس خریف جوار۔ باجرہ۔ مکئی۔ تل۔ کپاس و دیگر قیمتی اجناس نیشکر۔ آلو۔ شکرقندی۔ مونگ پھلی وغیرہ کی پیداوار ہوتی ہے۔ جمع فرضی شخصہ بندوبست تقریباً چھ ہزار روپیہ اور نشست لگان نقدی و جنسی تخمیناً بیس ہزار روپیہ سالانہ ہے جو معافی داران کا حق ہے۔ معافی داران سوائے اخراجات دیہی کوئی مال گذاری راج میں ادا نہیں کرتے البتہ معاغہ روپیہ سالانہ بطور نذرانہ داخل راج کیا جاتا ہے جس میں سے مالیعہ ۱۹۱-۱۵-۹ حق بیوگان و یتامیٰ واپس ہوتا ہے۔ اس کے متعلق روایت بھی ہے اور جہاں تک ریاست کے ریکارڈ سے پتہ چلایا جا سکا یہی معلوم ہوا کہ سمت ۱۸۶۵ بکرمی مطابق ۱۸۰۹ء میں مہاراجہ رندھیر سنگھ والیٔ ریاست بھرتپور بتقریب دورہ پہر سر کے قریب کسی مقام پر تشریف لے گئے واپسی پر

معافی داران پہر سر نے اپنے یہاں قیام کرنے اور دعوت قبول ہونے کی استدعا
کی۔ مہاراجہ صاحب نے عدیم الفرصتی کا عذر کیا اور فرمایا کہ جو رقم آپ ہماری دعوت
میں خرچ کرتے وہ خزانہ راج میں جمع کر دی جائے آپ کی دعوت قبول کی جاتی
ہے چنانچہ ۷۰۰ روپے تو معافی داران پہر سر نے نوچھاور کے جیسا کہ مہاراجگان
کے بھائی بندوں کا قاعدہ تھا اور حسب حصص دیہی سات سو روپیہ نذرانہ کل
سات سو دس روپے خزانہ راج میں داخل کر دئے مگر بعد میں یہ رقم سالانہ معافی داران
پہر سر کے ذمے قائم ہو گئی۔ بعد مہاراجہ بلونت سنگھ صاحب جب کہ مہاراجہ موصوف
بیمار ہوئے تو رعایا نے صحت یابی کی دعائیں کیں اور خیرات دی گئیں۔ صحت یابی
پر مثل دیگر رعایا و عمائدین، معافی داران پہر سر بھی غسل صحت کی مبارکباد کو دربار
مہاراجہ صاحب میں پہونچے اور کہا کہ ہمارے گاؤں کی بیواؤں اور یتیم بچوں نے
بھی آپ کی صحت یابی کی دعائیں مانگیں ہیں۔ نیک دل مہاراجہ نے خوش ہو کر
فرمایا کہ اُن کے ذمگی رقم نذرانہ ہم معاف کرتے ہیں اور احکام جاری کر دئے۔
اُس وقت پہر سر گاؤں میں ۶۹ بیوگان اور ۵ یتیم بچے معافی دار تھے جن کے ذمگی
رقم نذرانہ مالعہ ۱۹۱-۱۵-۹ ہوتی تھی چنانچہ اس رقم کی منہائی کے بعد صرف ۵۱۸-۰۰-۳ روپیہ
معافی داران پہر سر کے نام سالانہ رقم نذرانہ قابل ادخال خزانہ راج رہ گئی۔ مگر
اس کے وصول کا قاعدہ عمال ریاست نے یہ رائج کیا کہ اوّلاً سات سو دس روپے
کل حصص معافی سے وصول ہو کر مالعہ حق بیوگان و یتامیٰ۔ موجودہ ۶۹ بیوگان

۵ یتیموں کو بعد تصدیق تحصیلدار محال تقسیم کیا جائے۔ چونکہ اس کی تقسیم صحیح طریقہ پر نہ ہو سکی اور بہت کافی رقم خزانہ ریاست میں جمع ہو گئی لہذا درخواست بیوگان پر ایک نمائندہ مقرر ہو کر اُس کے ذریعے تقسیم رقم کا طریقہ رائج ہوا مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوا بالآخر کونسل آف اسٹیٹ بھرتپور کے حکم کے مطابق کل رقم حق بیوگان و یتامیٰ ریاست کے کرشن بینک میں جمع کئے جانے کا عمل ہوا۔ اس وقت اس فنڈ بیوگان کا روپیہ تقریباً بیس ۲۰۰۰۰ ہزار کرشن بینک و خزانہ ریاست و دیگر شعبہ جات میں جمع و بقایا قابل وصول ہے جس کے مستحق بیوگان و یتامیٰ سادات، اولاد شمس الدین جعفری بہرسری ہیں۔ اس رقم کے متعلق منجانب بیوگان کارروائی ہو سکتی ہے۔

چاہات شمار بندوبست سمت ۱۹۵۴ بکرمی کے مطابق بموجب نقشہ چاہات بندوبستی ایک سو ساٹھ ۱۶۰ چاہات پختہ شیریں اس موضع میں تھے جن میں سے مشہور اور جاری فی زمانہ ۹۸ چاہات حسب تفصیل ذیل ہیں جن کی مالیت تخمینی فی زمانہ ریٹ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ ہوتی ہے۔

(۱) مابین راستہ شاہپور و بسیا | ۱ گولا میٹھا کنواں - ۲ باغ والا - ۳ شاد علی والا - ۴ کرم علی والا - ۵ نواب صاحب والا - ۶ بھاگیرتھ والا - ۷ رضا والا - ۸ مالو والا - ۹ روشن علی والا -

(۲) مابین راستہ بہرسری و بسیا | ۱۰ چھنیا والا - ۱۱ گولا ہمت علی والا - ۱۲ رسول والا - ۱۳ لوہٹ والا - ۱۴ نیا گولا میر غلام حسین والا - ۱۵ نبی والا - ۱۶ مہر علی والا - ۱۷ محبوب علی والا - ۱۸ دوسرا رسول والا

(۱۹) انجب علی والا - (۲۰) نقی والا - (۲۱) پیپلی والا - (۲۲) کمیدان والا - (۲۳) ادریس والا - (۲۴) طالب والا - (۲۵) پینڈہ والا
(۲۶) کھاری والا (۲۷) باغ نلی والا - (۲۸) کھوریلہ -

(۳) مابین راستہ بہرسرو گادولی | (۲۹) ولی والا - (۳۰) لال والا - (۳۱) محبوب والا - (۳۲) مرشد والا - (۳۳) امیر اللہ والا
(۳۴) دوسرا پیپلی والا -

(۴) مابین راستہ ڈہرہ و بیلوٹ | (۳۵) بانس والا - (۳۶) لگو والا - (۳۷) سنگی والا - (۳۸) چھتری والا - (۳۹) بیرون والا
(۴۰) رسول والا - (۴۱) مدد علی والا - (۴۲) اعظم والا - (۴۳) کنویا قادر علی والی - (۴۴) حبشی والا - (۴۵) منصور والا - دوسرا
(۴۶) رسول والا - (۴۷) کنویا سرائے والی - (۴۸) ڈومری والا - (۴۹) کنویا دولت علی والی -

(۵) مابین راستہ بہرسرو شادن | (۵۰) گولا شہزاد علی والا - (۵۱) نور علی والا - (۵۲) حسین بخش والا -

(۶) مابین راستہ گادولی و کھوٹی | (۵۳) گولر والا - (۵۴) عباس والا - (۵۵) دوسرا نور علی والا - دوسرا
(۵۶) انجب علی والا - (۵۷) حیدر علی والا - (۵۸) کھوریلہ - (۵۹) اودھم علی والا - (۶۰) ہزارہ - (۶۱) نجف علی کمیدان والا
(۶۲) دوسرا حسین بخش والا -

(۷) مابین راستہ ڈہرہ و کھوٹی | (۶۳) انبہ والا - (۶۴) بھرائی والا - (۶۵) مراد والا - (۶۶) کمال والا - (۶۷) دولت علی والا
(۶۸) چاٹ والا - (۶۹) معظم والا - (۷۰) جمعہ پٹیل والا - (۷۱) ارجمند علی صوبہ دار والا - (۷۲) غلام نبی والا - (۷۳) احسان والا
(۷۴) دوسرا اودھم علی والا - (۷۵) نادر علی والا - (۷۶) دوسرا جمعہ پٹیل والا - (۷۷) احمد والا - (۷۸) ہیرامن والا - (۷۹) کھوریلہ
(۸۰) ٹیرنگا - (۸۱) منصب والا - (۸۲) چدڑ والا -

مابین راستہ شادپور و بیلوٹ | (۸۳) کنویا چھپتر والی - (۸۴) بڑے امام باڑہ والا - (۸۵) گولا محمد اسمٰعیل -
(۸۶) زہریا والا - (۸۷) نادر والا - (۸۸) احسان والا - (۸۹) مینڈھو والا - (۹۰) بروالا - (۹۱) گولا مزارون والا -

۹۲ شیشم والا - ۹۳ دوسرا نادر والا - ۹۴ عماد والا - ۹۵ پھنگا والا - ۹۶ ضامن علی والا - ۹۷ جھانسر والا - ۹۸ دوسرا بڑ والا -

باغ و باغیچہ ہائے | ستمبر سنہ ۱۹۴۷ء تک اکتیس باغ و باغیچہ بہ تفصیل ذیل پہر سر میں موجود تھے -

۱ باغیچہ میر روشن علی - ۲ باغیچہ میر منگا - ۳ باغیچہ نواب محمد حسین - ۴ باغیچہ میر امداد علی -
۵ باغیچہ میر کرم علی - ۶ باغیچہ میر طفیل حسین - ۷ باغیچہ میر ضامن علی - ۸ باغیچہ میر دولت علی -
۹ باغیچہ میر امیر اللہ - ۱۰ باغیچہ میر نادر علی - ۱۱ پلاس باغ - ۱۲ باغیچہ میر ثابت علی - ۱۳ باغیچہ میر محمد رفیع
۱۴ باغیچہ میر غالب علی - ۱۵ باغیچہ میر یعقوب علی - ۱۶ باغیچہ چھنگا - ۱۷ باغیچہ میر ممتاز علی - ۱۸ باغیچہ میر
اعظم علی صوبہ دار - ۱۹ باغیچہ میر رستم علی - ۲۰ باغیچہ میر نجابت علی - ۲۱ باغیچہ میر منصور علی - ۲۲ باغیچہ
میر مردان علی - ۲۳ باغیچہ میر غلام نبی - ۲۴ باغیچہ میر حافظ علی - ۲۵ باغیچہ میر شہزاد علی - ۲۶ باغیچہ میر
محمد جعفر - ۲۷ باغیچہ میر بلند حسین - ۲۸ باغیچہ میر بدھوا - ۲۹ باغیچہ میر افتخار علی - ۳۰ باغیچہ میر رعایت علی
۳۱ منجھو والی بغیچی -

عام طور پر یہ باغیچے درختان بیر پھلدار کے تھے - ان میں تین چار باغ
بڑے تھے جن میں عمارتی درخت پھلدار ہر قسم کے موجود تھے اور سیکڑوں روپیہ
سالانہ ٹھیکہ پر اُن کے پھل فروخت ہوتے تھے - اِن کل باغ و باغیچہ ہائے کی
مالیت درختان تقریباً پچیس ہزار روپے ہوگی -

قبرستان و مساجد | ۱ پوکھر بڑی ۲ - ۲ قبرستان ۳۹ (پختہ ۹ - خام ۳۰) ۳ مساجد
محلہ جلال بارہ کی بڑی عالی شان جس میں پچی کاری کا کام ہو رہا تھا - ایک

علائی پاڑہ بڑی (ایک) ڈیڑھ پٹی بڑی (ایک) چھوٹی مساجد (سات) کل دس۱۰

امام باڑے | محلہ جلال پاڑہ کا بڑا عالی شان (ایک) علائی پاڑہ کا بڑا (ایک) ڈیڑھ پٹی کا بڑا (ایک) ہتھائی علائی پاڑہ بڑا (ایک) چھوٹے (تین) کل سات

عمارات

عالی شان حویلیاں مثل محلات مختلف وضع | ۱ بہت بڑی حویلی میر وزیر حسین صاحب والی۔ ۲ بہت بڑی حویلی خان بہادر میر اولاد حسین صاحب والی۔ ۳ بہت بڑی حویلی ڈپٹی غلام حسین صاحب موسومہ نواب صاحب والی۔ ۴ حویلی سید عبداللہ صاحب تحصیلدار والی۔ ۵ حویلی ڈپٹی سید علی نقی صاحب حسین آباد والی۔ ۶ حویلی مولوی میر ضامن علی صاحب والی۔ ۷ حویلی جدید تعمیر ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب والی۔ ۸ حویلی میر جعفر حسین صاحب والی۔ ۹ بہت بڑی حویلی حاجی میر منشی سید شمشاد حسین صاحب والی۔ ۱۰ بہت بڑی حویلی حاجی سید جعفر حسین صاحب معروف لندنیا والی۔ ۱۱ حویلی کمیندان صاحب والی۔ ۱۲ حویلی سید رفیع والی۔ ۱۳ حویلی کانگاؤں والی۔ کل تیرہ۱۳

عالی شان حویلی پختہ	پختہ مکانات	خام مکانات	نوہرہ و چوپال	دوکانات پختہ و خام	مسافر خانہ پختہ	مزرعہ گاؤں
۲۵	۴۰۰	۴۰۰	۳۰	۶۰	ایک	۳

مردم شماری | سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق باشندگان موضع کی تعداد ۱۵۰۲ تھی۔ عموماً یک جدی سادات جعفری کی آبادی تھی۔ سادات رضوی بھی کافی تعداد میں آباد تھے۔ دونوں کا مذہب امامیہ تھا۔

ادائے رسومات مذہبی | ولادت و شہادت ائمہ معصومین علیہ السلام کی تواریخ پر میلاد و مجالس کے علاوہ عشرہ محرم بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے اہل بھر سہر شرکت کی غرض سے شامل ہوتے تھے۔ یومیہ پندرہ مجالس مردانی قریب ۲۱ مجالس زنانی معمولاً اور غیر معمولی بہت کثرت سے مجالسِ عزا ہوتی تھیں جن کو باشندگان نہایت خلوص دلی اور نیک نیتی سے انجام دیتے تھے۔ آٹھویں محرم کو محلہ جلال باڑہ میں اور نویں محرم کو علائی باڑہ میں نیاز حضرت عباسؑ علمدار حسینی جس میں تمام گاؤں کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور چھٹی محرم کو امام باڑہ ڈیڑھ ہٹی اور آٹھویں محرم کو علائی باڑہ حویلی خان بہادر صاحب میں چندہ کی مشہور مجالس بڑے پیمانے پر پورے اہتمام کے ساتھ ہوتی تھیں۔ راقم الحروف کے زمانے میں چندہ ڈیڑھ ہٹی کی مجلس میں خاص طور پر سید شبّر حسین صاحب جعفری نسیم بھر سہری اپنا نو تصنیف مرثیہ تحت اللفظ پڑھتے تھے اُن کے بعد اُن کے یا اپنے کلام کو اُن کے شاگرد پڑھتے رہے۔ چندہ علائی باڑہ کی مجلس میں خاص طور پر سید افضل حسین صاحب رضوی افضل ہیلکی اپنا نو تصنیف یا اپنے اُستاد کا کلام خاص انداز بیان میں پڑھ کر سامعین کو مسخر فرماتے تھے۔ ساتویں محرم کو

جلوس ذوالجناح۔ تابوت۔ علم۔ گہوارہ پوری آزادی کے ساتھ گاؤں کے چاروں طرف گشت کرتا تھا جس میں نوحہ۔ مراثی پڑھے جاتے تھے۔ شب شہادت دسویں محرم الحرام کو ہر عزاخانہ کی زیارت کو علاوہ اہل پہرسر دیہات گردونواح سے غیر اقوام کے مرد۔ عورت بھی بکثرت آتے تھے اور ہر قسم کی منتیں مانگتے۔ مٹھائیاں نذر کرتے تھے۔ دسویں محرم کو جلوس مثل ساتویں محرم گشت کناں، کربلا میں پھونچ کر جو آبادی سے جانب غرب قریب ایک میل کے فاصلے پر تھی ختم ہوتا تھا وہاں تعزیہ اور دیگر لوازمات علم وغیرہ دفن کرکے ماتم بڑے زور سے کیا جاتا تھا۔ اعمال عاشورہ بجالاتے تھے۔ تمام سادات دن بھر فاقہ سے رہ کر شام کو فاقہ شکنی کرتے تھے۔ چہلم تک مجالس بڑے امام باڑوں میں ہوتی تھیں اور اربعین کو بھی مجالس ہوتی تھیں تابوت وغیرہ بناکر کربلا میں دفن کئے جاتے تھے۔

زیارت پنجہ شریف ۲۱ رمضان المبارک اور دسویں محرم کی شب یعنی شب شہادت کو پنجے کی زیارت بڑے امام باڑے محلہ جلال پاڑہ میں بوقت شب کرائی جاتی تھی۔ یہ پنجے کا نشان ترشا ہوا نہ تھا۔ سنگ سفید قریب ½ فٹ مربع پر ایک پنجے کا نشان اس طرح اُبھرا ہوا تھا جیسے مٹی یا موم پر انسان کا پنجہ پڑنے پر نمایاں ہوجاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی گئی کہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام شیر خدا کے پنجے کا یہ نشان حضوری شاہ درویش کو کسی مقام پر اور کسی

موقع پر عطا ہوا اور حکم ہوا کہ اس پنجے کے نشان کو حضوری شاہ موضع بہر سر میں میر دولت علی کو جا کر دے آئیں کہ جن کا ایک کچا امام باڑہ جلال پاڑہ میں بنا ہوا تھا اور وہ بڑی خوش اعتقادی سے مجالس عزا زمانہ عاشورِ محرم میں برپا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضوری شاہ اس پنجے کو لائے اور میر دولت علی صاحب کے سپرد کیا اُنھوں نے بڑے احترام سے اپنے امام باڑے میں رکھا اور سال میں دو یوم غسل پنجہ جو صندل اور عرق گلاب وغیرہ سے دیا جاتا تھا مقرر کر کے زیارت کے لئے یہی دو یوم مخصوص رکھے۔ اس نشان پنجے میں یہ خصوصیت تھی کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا پنجہ جب پنجہ پر رکھا جاتا تھا تو بالکل اُس پنجے میں بھرا ہوا ہوتا تھا کمی یا بیشی چھوٹائی بڑائی کی نہ ہوتی تھی اور یہ ایک معجزہ بتایا جاتا تھا۔ افسوس کہ یہ پنجہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کے قتل و غارت میں بمقام ندبہی اسٹیشن متصل کلب برچھہ چوکی ریلوے ضائع ہو گیا۔ یا تو پتھر سمجھ کر اُس کو چوکی ریلوے پر جہاں سگنل کے قریب گاڑی ٹھیرائی گئی تھی اور سادات کو لوٹا مارا، پھینک دیا گیا یا دیہاتی لٹیرے کسی گاؤں میں لے گئے۔ تلاش سے ممکن ہے کہ اُن مقامات پر دستیاب ہو سکے۔ کوشش تلاش جاری ہے۔

تفصیلی حالات آبادی اور دیگر دیہات سے ربط ضبط

سادات کی زیادہ تر آبادی اندرونِ حصار تھی علائی پاڑہ۔ جلال پاڑہ پوٹھایہ تین محلّے مشرق کی جانب تھے جن کے دروازے بڑے بڑے تھے۔ آبادی کے چاروں طرف راستہ شارع عام اور اُس میں بازار و دوکانات تھیں۔ دیگر اقوام بطور رعایا کوٹ کے باہر آباد تھیں۔ سرکاری مویشی خانہ

چوکی کسٹم - اردو - ہندی مڈل تک اسکول اور چھوٹا ڈاکخانہ - یونانی اسپتال - جون ۱۹۴۷ء تک رہا - سڑک جے پور سے آبادی تک قریب ایک میل شرق وجنوب کی طرف سے راستہ خام کے ذریعے سفر طے کیا جاتا تھا - اس موضع کے شمال میں موضع گاڈولی، سنسوار ٹھاکران معافی داران کا - غرب میں موضع رینہ برسانیہ برہمن معافی دار کا اور باقی ہر طرف مواضعات شاہ پور - للہارہ - بسیا - سیولا - بیلوٹ - کھوڑتی جاٹ سنسواران کے دیہات ملحق ہیں جن پر اہل بہرسر کا لاکھوں روپیہ قرضہ باقی ہے - ہمیشہ اہل بہرسر نے اپنے پڑوسی دیہات کے باشندگان سے بھائی بندی کے برتاؤ رکھے کبھی کوئی فساد یا بلوہ وغیرہ نہیں ہوا - ہمیشہ اہل بہرسر اُن کے معاون و مددگار رہے - گردونواح کے دیہات، علاوہ مالی و زرعی امداد کے اُن کے قانونی مشوروں تعلیمی اداروں - تجارتی و طبی سہولیتوں سے بھی فیض یاب ہوتے رہے - اہل بہرسر کا سلوک اپنی رعایا غیر اقوام سے بھی مثل بھائی بندی کے رہا اور مثل اپنے خاندانوں کے اُن کے خاندانوں کی پرورش کے بھی کفیل رہے - اس قصبے کے بیر نہایت عمدہ اور شیریں ہوتے تھے - سب سے پہلی اور پرانی عمارت علائی پاڑہ میں حویلی کانگا خاندان جو ۱۹۴۵ء میں کسی ارضی و سماوی صدمے سے شکستہ ہوگئی اور ڈیڑھ پٹی میں سید رفیع والی حویلی مشہور ہیں - باقی عمارات پختہ اُن کے بعد کی تعمیر کردہ معلوم ہوئیں -

۱۸۹۱ء عہد مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب تک ریاست میں اہل بہرسر

کافی عروج پر رہے اور آبادی گاؤں سنہ ۱۹۰۴ء تک بعد وفات مہاراجہ صاحب موصوف پردیسی حکام کا تعصبی رویہ رہا اور سنہ ۱۹۰۴ء میں وبائے طاعون سے اموات بکثرت ہوئیں ان حالات میں زیادہ تر اہل پہرسر باہر چلے گئے اور پھر وہیں آباد ہو گئے اس لئے آبادی میں ویرانی شروع ہو گئی اور بعد میں کم ہوتی ہی گئی۔ تعلیمی شعبہ جات میں چونکہ اہل پہرسر نے کافی ترقی کر لی اس لئے بھی زیادہ تر معافی داران باہر رہنے لگے۔ سادات باشندگان دیہہ کا پیشہ زیادہ تر زمینداری و کاشتکاری اور اُن کی رعیت کا پیشہ اپنے پیشے کے علاوہ کاشتکاری تھا۔ مستورات پردہ اور مذہبی رسومات کی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ مرد و عورت سادات زیادہ تر صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔

باب تیرھواں

موجودہ زوال سادات پہرسر

زوال و بربادی حال سادات پہرسر

۲۵ رجون سنہ ۱۹۴۷ء کو علی الصباح سید نظیر الحسن عرف بنّے خلف سید محمود الحسن سب انسپکٹر پولیس و سید ابو محمد عرف جان عالم

خلف سید شمس الحسن پہلی گاڑی میں بھرسر سے اسٹیشن ندبئی جاتے ہوئے قریب دو میل کے فاصلے پر سرحد موضع کھٹوٹی میں شہید کردیئے گئے اور گروہ در گروہ دیہات ملحقہ میں جمع ہوکر بھرسر پر حملہ کرنے کو کمیٹیاں کرنے لگے۔ جب اس کی اطلاع بھرسر میں ہوئی تو اہل بھرسر نے عورتوں۔ بچوں اور ضعیف العمر مردوں کو حویلی جناب خان بہادر سید اولاد حسین صاحب مرحوم و مغفور میں حفاظت کی غرض سے پہونچادیا اور بھرتپور و آگرہ سادات بھرسر کے پاس اطلاع بھیجی اور امداد طلب کی۔ ماسٹر سید تصدق حسین صاحب خلف سید علمدار حسین۔ و سید علی اصغر خلف سید آل حسن نے بابو سید محمود الحسن صاحب ایکس کمانڈنگ لیبر کورون راجپوتانہ کو اطلاع دی وہ فوراً راؤ بہادر ٹھاکر حکم سنگھ دیوان ریاست کے پاس پہونچے اور پوری ردوقدح اور اصرار کے بعد پچیس ۲۵ فوجی جوان جے۔ ایچ۔ آئی معہ کپتان سردار دلبیر سنگھ سکھ اور رتن سنگھ جاٹ اسپیشل ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو معہ ایمونیشن تعینات کرا کے معہ اپنے ذاتی ٹرک کے رات کو تقریباً بارہ بجے بھرسر پہونچے۔ سید علی اصغر مذکور شام کی گاڑی سے آگرہ پہونچے اور ڈاکٹر سید محمود الحسن صاحب کو حالات سے آگاہ کیا اُنھوں نے فوراً شاہ گنج آکر تمام سادات کو آگاہ کیا اور تین ٹرکس سید ضرب حیدر (۱)۔ سید محمد خلیل (۲)۔ سید حسن احمد (۳) کے معہ سید محمد امیر و سید ابوجعفر اور تین چار آدمی اُن کے ساتھ اہل بھرسر کی امداد کو روانہ کئے۔ یہ آدمی اور ٹرکس ۲۶ جون ۱۹۴۷ء کی صبح بھرسر پہونچ گئے۔

۲۶ جون ۱۹۴۷ء کو علی الصباح دونوں افسران یعنی کپتان دلمیر سنگھ و رتن سنگھ معہ فوجی سپاہیان، بابو محمود الحسن صاحب سے یہ کہہ کر کہ پہر سر کے جو دو آدمی کل مارے گئے ہیں اُن کی لاشوں کو تلاش کر آئیں اور ندبئی میں جو مسلمان مارے گئے ہیں اُن کو بھی دفن کرانا ہے نیز یہ دیکھنا ہے کہ کہاں کہاں گروہ جمع ہیں۔ آج پہر سر پر حملہ نہ ہوگا۔ کل کی خبر ہے ندبئی کی طرف چلے گئے۔ صرف پانچ سپاہی ایک جمعدار پہر سر میں چھوڑا گیا جو ڈیڑھ پٹی کی چوپال میں جا کر بیٹھ گئے۔ قریب ۷ بجے صبح سے بلوائی جاٹ گوجر دیہات گردو نواح اور جاٹ علاقہ جات انگریزی رہتک۔ حصار۔ مشرقی پنجاب معہ دیگر ہندو۔ مینہ۔ اچھوت جن میں پہر سر کے چمار۔ کولی وغیرہ بھی شامل کر لئے گئے تھے سوائے راجپوت ٹھاکران۔ پہر سر میں آنا شروع ہوئے اور اول مویشیان لیجانا شروع کیا چونکہ تمام مسلمان ایک حویلی میں جمع ہو گئے تھے آبادی خالی تھی اس لئے بلوائیوں نے آبادی میں داخل ہو کر لوٹ اور مکانوں میں آگ لگانا شروع کردیا بھگوت سنگھ ٹھاکر نام اور رام سرن ٹھاکر جو بھی پہر سر آ گئے تھے اُن لوگوں نے بلوائیوں کو سمجھایا اور منع کیا کہ ایسا مت کرو جب دیکھا کہ بلوائی اکٹھے ہو رہے ہیں تو فوجی آدمیوں کو اطلاع دی کہ گاؤں پر حملہ ہو رہا ہے چنانچہ گارڈ کے سپاہی اس طرف یعنی حویلی خان بہادر صاحب کی طرف آ گئے۔ سادات پہر سر کے پاس کچھ رائفل و کارتوس تھے انھوں نے اپنی حفاظت اور بلوائیوں سے مقابلہ کرنے کو تین حویلیوں کی چھت پر مورچے قائم کئے۔ حویلی نواب صاحب۔ حویلی سید عبداللہ صاحب تحصیلدار پر

کچھ نوجوان معہ رائفل اور باقی حویلی خان بہادر صاحب کی چھت پر معہ بابو سید محمود الحسن صاحب۔
بلوائیوں کی تعداد چھ سات ہزار کے قریب ہوگئی اور جب دیکھا کہ بلوائی حملہ ضرور کریں گے تو
بابو سید محمود الحسن صاحب نے اپنے ذاتی اثر سے کام لیکر فوجی آدمیوں سے مدد لی۔
بھگوت سنگھ ٹھاکر اور رام سرن ٹھاکر نے اہل بہر سر کے بچانے کی کافی کوشش کی
جب بلوائیوں پر اُن کے سمجھانے کا اثر نہ ہوا تو بعد دو پہر وہ واپس اپنے گاؤں کو چلے
گئے۔ فوجیوں نے بلوائیوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جانبین سے فائرنگ شروع ہوا۔
بلوائیوں کے قریب دو سو پچاس آدمی مارے گئے۔ بعد عصر شام کو قریب ساتٹ
بجے بلوائی منتشر ہو کر دیہات ملحقہ میں چلے گئے مگر سوائے مشرقی حصہ کے باقی تمام
گاؤں کے مکانوں سے کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب و نقدی اور مویشی
بلوائی لیگئے۔

مغرب کے وقت کپتان سردار دلبیر سنگھ و رتن سنگھ اسپیشل ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ
پولیس معہ فوجی سپاہیان واپس آئے اور افسوس ظاہر کرنے لگے۔ کپتان صاحب
نے کہا کہ مجھے ڈپٹی رتن سنگھ نے دھوکہ میں رکھا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اطلاع ملی ہے
کہ بہر سر پر کل حملہ زبردست ہوگا اس پر بابو محمود الحسن صاحب نے انتظام کے لئے
کہا تو دونوں افسران نے جواب دیا کہ ہمارے پاس ایمونیشن زیادہ نہیں ہے اگر آپ
بھر تیو پر چل کر دیوان صاحب سے ایمونیشن ملنے کا حکم دلوادیں تو ہم انتظام کرسکیں گے
چنانچہ بابو صاحب موصوف رتن سنگھ کو ساتھ لیکر بھرتیو پر آئے اور دیوان صاحب سے

ملے اور بھرسر کے حالات بتلاتے ہوئے اہل بھرسر کو بچانے کے لئے خاص انتظامات
کی استدعا کی چنانچہ دیوان صاحب نے ایک ہزار کارتوس دیئے جانے کا حکم دیا
اور ساتھ ہی حکام تحت کو تاکیدات کیں کہ اہل بھرسر کی معقول مدد کی جائے اور اُن کو
ہر صورت سے بچایا جائے۔ مہاراجہ بھرتپور اِن دنوں بھرتپور میں موجود نہ تھے باہر گئے
ہوئے تھے۔ رتن سنگھ کارتوس لیکر رات کو ہی بھرسر پہونچ گئے۔ بابو محمود الحسن
صاحب سے کہا تھا کہ میں کارتوس لے آؤں، آپ کو مکان سے ساتھ لیلیوں گا
اور دونوں ساتھ بھرسر چلیں گے مگر ان کو بغیر ساتھ لئے چلے گئے اور یہ بھرتپور
رہ گئے۔

۲۷ر جون ۱۹۴۷ء کو صبح سے ہی بلوائیوں کے غول ہاغ کلیان سنگھ
گادولی و موضع گادولی میں جمع ہونے شروع ہوئے اور اس دن کی تعداد تقریباً
پچیس تیس ہزار بتلائی جاتی ہے مگر کپتان سردار دلبیر سنگھ نے اس روز اہل بھرسر
کی پوری حمایت اور حفاظت کی۔ کپتان صاحب نے بلوائیوں کو سرحد بھرسر کے اندر
نہ گھسنے دیا۔ بلوائی مینڈھ بھرسر و گادولی پر قریب ایک میل لمبے محاذ پر لائن بنا کر جمنے
لگے۔ کپتان صاحب نے اول اس جانب تین مقامات پر مورچے قائم کئے مگر جب
دیکھا کہ بلوائی باقاعدگی سے ایک دم حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو انھوں نے
اپنا سرکاری ٹرک اور محمد صالح ڈرائیور والا ٹرک لیکر اور اسٹین گن ایک ٹرک پر رکھ کر
بلوائیوں کو ڈرانا شروع کر دیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فائرنگ اُس وقت کیا گیا

جب بلوائیوں کی جانب سے کپتان صاحب کے ٹرک پر فائر کیا گیا جس سے کچھ بلوائی زخمی ہوئے۔

اسٹین گن کے ہوائی فائرنگ سے آگے کی قطار کے بلوائی پیچھے بھاگ کر باغ کلیان سنگھ گادوی والے میں جا کر چھپ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کپتان صاحب وہاں بھی پہونچ گئے۔ لوگوں کو سمجھایا کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں اور منتشر ہو کر اپنے اپنے مقامات کو چلے جائیں۔ قریب پانچ سو گوجر جو ہیلک کی طرف سے آئے تھے واپس بھی چلے گئے۔ کچھ گادوی کے ٹھاکر بلوائیوں کو سمجھا رہے تھے کہ ایسا مت کرو مگر بلوائیوں کا کہنا تھا کہ پہرسر سے جواہرات اور کروڑوں روپیہ کا سامان ملے گا جو حویلیوں کے تہہ خانوں میں چھپا ہوا ہے پہرسر پر حملہ ضرور کریں گے۔

جب بلوائی نہ مانے تو اُن پر پھر ہوائی فائر کیا گیا اُس وقت وہ منتشر ہو کر بھاگے۔ کچھ بلوائی زخمی اور زندہ گرفتار کر کے کپتان صاحب گاؤں پہرسر میں لائے اُن کو وہاں مارنا چاہا تو سادات پہرسر نے اُن کو چھڑوا دیا۔ ایک گرفتار شدہ جاٹ پیاس سے بیتاب تھا سید آلِ رضا صاحب پنشنر جج سے نہ دیکھا گیا اُس کو سیراب کرایا اور سفارش کر کے چھڑوا دیا۔ اس روز بھی بہت سے بلوائی مارے گئے کپتان صاحب و فوجی آدمیوں نے کافی حفاظت اہلِ پہرسر کی کی۔ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ شام کو بلوائی منتشر ہو کر اپنے اپنے مقامات کو واپس چلے گئے۔

جب پہرسر پر دو روز تک حملہ ہونے کا حال آگرہ شاہ گنج۔ دہلی وغیرہ میں

اہل بہرسر کو معلوم ہوا تو یہاں کے لوگ بھی بہت بیتاب ہوئے اور ہر قسم کی کوشش عورتوں اور بچوں کو صحیح و سلامت نکال کر لانے کی کرنے لگے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مہدی علی صاحب بدھانے نے دہلی جاکر اطلاع دی وہاں سید محمد جعفری و آغا محسن جعفری صاحبان نے مسلم لیگ اور گورنمنٹ آف انڈیا کی معرفت اور سید حسین جعفری بی۔ اے۔ ایل ایل بی سیکرٹری امن سبھا آگرہ نے دہلی گورنمنٹ انڈیا کو امن سبھا کی معرفت اور سید موسیٰ جعفری صاحب کیپٹن فوج انڈیا نے اپنے کمانڈنگ کی معرفت بنگلور سے گورنمنٹ انڈیا کی معرفت بھرتپور اسٹیٹ کو اطلاعیں بھجوائیں کہ اہل بہرسر کی مدد کی جائے اور اُن کو بحفاظت نکالا جائے۔ سید حسین جعفری صاحب نے ایک ٹرک بھی آگرے سے بھجوایا جو راستے میں خراب کردیا گیا اور بہرسر تک نہ پہونچا۔

۲۸ جون ۱۹۴۷ء کو علی الصباح میجر حکم سنگھ میجر بہرسرام فوجی اور جگرام سنگھ انسپکٹر جنرل پولیس بہرسر پہونچے۔ سید آل رضا صاحب جج منسفر اور دیگر سادات نے اُن سے کہا کہ عورتوں، بچوں اور ضعیف العمر مردوں کو بحفاظت آگرہ پہونچادیا جائے۔ چنانچہ جو ٹرکس آگرے سے گئے تھے اُن میں اور سرکاری ٹرک میں متذکرہ بالا اشخاص معہ چند جوان جو اُن کی حفاظت کی غرض سے ساتھ کئے گئے تھے اور جج صاحب موصوف معہ اپنی رائفل اس طرح کل ۲۲۵ مرد مان فوجی آدمیوں کی حفاظت میں بھرتپور آئے اور وہاں جب یہ معلوم ہوا کہ سڑک بھرتپور۔ آگرہ صاف نہیں ہے

بلوائی بکثرت ہیں تو یہ قافلہ اسٹیشن بھرتپور پر پہونچایا گیا یہاں بھی طرح طرح کی افواہیں مشہور ہوئیں مگر شام کی ٹرین سے سوار ہو کر یہ سب آگرہ شاہ گنج پہونچ گئے باقی تقریباً ۱۵۰ آدمی پہرسر رہ گئے اور اُن کی حفاظت کے لئے فوجی گارڈ معہ کپتان صاحب موجود رہا۔

جب اہل پہرسر کا قافلہ اسٹیشن بھرتپور سے آگرے کے لئے ٹرین میں سوار ہو رہا تھا اُن کو مہاراجہ بھرتپور نے دیکھا جو اُسی وقت الور سے آتے ہوئے اُس ٹرین سے اُتر رہے تھے۔ وہ ۲۸ جون ۱۹۴۷ء کی شب کو قریب بارہ بجے سید حیدر رضا صاحب پرنسپل ٹریننگ اسکول پولیس۔ بچو سنگھ ملیٹری سیکرٹری۔ گھاسی رام کمانڈنگ جے۔ ایچ۔ آئی اور چند دیگر اشخاص کو ساتھ لیکر پہرسر پہونچے۔ گاؤں سے قریب دگڑا پہرسر۔ بیلوٹ پر سادات پہرسر کو بلایا اور بہت معذرت و افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میری ہرگز منشا یہ نہ تھی کہ تمہارے ساتھ یہ عمل ہو۔ تمہاری لوٹ کا تمام سامان اور مویشیان واپس دلائی جائیں گی اور جس قدر نقصان ہوا ہے وہ تعزیری جرمانہ دیہات حلقہ پر قائم کر کے دلاؤں گا اور آئندہ پورے طور پر تمہاری حفاظت ہوگی گاؤں خالی مت کرو اور سب یہیں رہو بلکہ جو لوگ چلے گئے ہیں اُن سب کو بھی واپس بُلالو۔ تمہارے بزرگوں کے میرے بزرگوں اور ریاست پر بڑے احسانات ہیں میری عدم موجودگی میں تمہارے گاؤں پر حملہ ہوا ہے۔ اب اطمینان سے آباد رہو۔ اہل پہرسر نے شکریہ ادا کیا۔ چنانچہ مہاراجہ صاحب

معہ ہمراہیان واپس تشریف لیگئے۔ دوسرے روز مویشی واپس آنا شروع ہو گئیں
اُس کے بعد پٹواری و افسران تحصیل آتش زدگی و تقاوی وغیرہ کے نقشہ جات مرتب
کر کے لیگئے۔ مگر اُن کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ لوٹ کا مال قطعی واپس نہیں آیا۔

جولائی و اگست ۱۹۴۷ء میں عام طور پر حملے اور قتل و غارت کسی خاص اسکیم
اور مصلحت کے تحت بند کر کے مسلمانوں کو مطمئن کیا جانے لگا کہ وہ اپنے اپنے
مقامات پر واپس آکر آباد ہو جائیں۔ اہل پہرسر کی آمد و رفت بھی پہرسر۔ بھرتپور۔ آگرہ
وغیرہ سے جاری ہو گئی۔ فوجی گارڈ جو سادات کی حفاظت کو زیر کمان کپتان دلبیر سنگھ
پہرسر میں تعینات تھا وہ ایک ماہ بعد تبدیل ہو گیا اور دوسرا فوجی گارڈ آیا جس میں
زیادہ تر رہتک و دیگر جگہ کے جاٹ تھے وہ سادات کو تنگ اور پریشان کرنے لگے
سادات نے اُن کے خورد و نوش اور دیگر اخراجات کا انتظام کر دیا وہ اُن سے لیتے
رہے۔ ۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو شہر بھرتپور میں مہاراجہ بھرتپور نے ہندو مسلمانوں کی ایک
زبردست میٹنگ کی اور کافی مجمع میں اعلان کیا کہ میری منشاء صرف میوات کو دبانے
کی تھی نہ کہ عام مسلمانوں کو تباہ کرنے کی۔ مجھے مسلمانوں کی تباہی اور قتل و غارت
کا سخت افسوس ہے اب میں اطمینان دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کی کافی حفاظت ہوگی
کوئی خوف نہ کرے جو مسلمان بھرتپور و نواح بھرتپور سے واپس چلے گئے ہیں وہ
اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے آئیں آئندہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوگی
جو اُن کو ستائے گا اُس کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

اس کے بعد ریاست کی طرف سے گشتی اعلان جاری کیا گیا اور اخبارات میں بھی مشتہر کرایا گیا کہ مسلمان اپنے اپنے مقامات پر واپس آکر اپنی اپنی جائدادیں سنبھالیں ورنہ ۲۰؍جولائی ۱۹۴۷ء کے بعد اُن کی جائدادوں پر سرکاری قبضہ کرلیا جائے گا۔

اس اطمینان دلانے اور مہاراجہ کی ذمہ داری لینے پر بہت زیادہ مسلمان جو دیگر مقامات اور آگرہ وغیرہ میں جاکر پناہ گزیں ہو گئے تھے بھرتپور اور دیہات میں جاکر آباد ہو گئے۔ آگرہ شاہ گنج بھی مہاراجہ کے بھیجے ہوئے ہندو مسلمان افسران پہونچے اور اطمینان دلایا کہ اب بھرتپور واپس چلو وہاں اب کچھ نہ ہوگا۔ اہل بہرسر کو بھی کافی مطمئن کیا گیا۔ چنانچہ ساٹھ ستر سادات بہرسر واپس جاکر آباد ہو گئے جن میں بہت سے اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لیگئے۔

مہاراجہ اور حکام کی اطمینان دہانی سب دھوکہ۔ مکاری۔ سازش ثابت ہوئیں۔ تقسیم ہند کا اعلان ہونے کے بعد ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء سے پھر حالات بدلنا شروع ہوئے۔ ۴؍ستمبر ۱۹۴۷ء سے گردونواح بھرتپور و دیہات میں اور ٹرینوں کو ٹھیرا کر اسٹیشن و جنگلوں میں مسلمانوں کا قتل وغارت کرنا شروع کردیا چاروں طرف کے راستے بند کردئے گئے۔ ۷؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو بھرتپور اسٹیشن سے ٹرین چلنے پر مال گودام کے قریب ٹھیرائی گئی۔ مسلمانوں کو لوٹا اور شہید کیا گیا جس میں سید فضل عباس خلف سید کاظم حسین عرف منجھو شہید ہوئے۔ آگرہ سے آئی ہوئی ٹرین اکرن اسٹیشن پر روکی گئی وہاں مسلمانوں کو لوٹا اور شہید کیا گیا اُس میں سید مقصود حسین

عرف دولھا خلف میر شمشاد حسین کو شہید کیا گیا اور سید حسن احمد خلف سید ابوالحسن سخت زخمی ہو کر آگرہ پہونچے۔ اسی طرح بڑی لائن متھرا ناگدہ ریلوے کے اسٹیشن جھاجن پٹی۔ رانی گُنڈ۔ پنگورہ۔ بیانہ پر ٹرینوں کو روک کر مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ بھرتپور و حکام اور ہندو لیڈروں کی جانب سے شہر بھرتپور میں اعلان کیا گیا کہ اب بھرتپور میں مسلمانوں کا رہنا دشوار ہے جو جہاں چاہے چلا جائے ورنہ سب کو یہاں شدھی کر کے ہندو بنا لیا جائے گا بھرتپور میں جو سادات رہ گئے تھے وہ بہت گھبرائے۔ سید حیدر رضا صاحب پرنسپل ٹریننگ اسکول پولیس نے انسپکٹر جنرل پولیس و دیگر حکام سے مل کر عام مسلمانوں اور خاص طور پر سادات کو آگرے تک پہونچانے کا انتظام کرایا۔ سرکاری چار یا پانچ ٹرکس میں تمام عورتوں۔ مردوں۔ بچوں کو بوقت شب کوٹھی سید حیدر رضا صاحب سے سوار کرا کے براستہ سڑک آگرہ جانے کو انسپکٹر جنرل پولیس نے کہا مگر جب سید وزیر احمد صاحب کیپٹن جے۔ ایچ۔ آئی نے جو اس قافلے کے ساتھ نکل کر آئے ہے تھے موقعہ پر جا کر بتایا کہ اس راستے میں بلوائی سڑک گھیرے ہوئے ہیں تو پھر سڑک بھرتپور متھرا کی طرف ٹرکس کئے گئے۔ شہر کے باہر گردکی سڑک پر مہاراجہ بھرتپور و انسپکٹر جنرل پولیس جگرام سنگھ ملے سادات نے الوداعی سلام کیا۔ جب یہ قافلہ بھرتپور و رارہ کے درمیان پھاٹک ریلوے اسٹیشن پر پہونچا تو پھاٹک بند پایا اور ٹرک میں کپتان سردار دلبیر سنگھ اور دیگر فوجی تھے جو خاص طور پر سید وزیر احمد کپتان و

سادات کو بحفاظت پہونچانے آئے تھے اور وزیر احمد صاحب و دیگر سادات بھی اسی میں تھے اس ٹرک کو تو پار ہو جانے دیا پھر پھاٹک بند کر دیا گیا دوسرے یا تیسرے ٹرک میں سید دائم حسین صاحب کلکٹر بھرتپور۔ سید حیدر رضا صاحب پرنسپل بابو سید اختر حسین صاحب۔ سید اظہر حسین صاحب زیدی ایڈوکیٹ بھرتپور۔ وٹینری ڈاکٹر محمد حسین صاحب و دیگر مرد و عورت سادات سوار تھے۔ اس ٹرک پر بلوائیوں کا حملہ ہوا اُن میں زیادہ تر فوج اور پولیس بھرتپور کے آدمی تھے جو سادہ لباس میں تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلوائیوں کی ہمت افزائی کے لئے جگرام سنگھ انسپکٹر جنرل پولیس ٹرکس کے بہت پیچھے آ رہا تھا غرض اس مقام پر سید حیدر رضا و بابو سید اختر حسین صاحبان و والدہ محمد حسین صاحب مارے۔ سید شبیر رضا صاحب معہ فرزند اور بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ سید اظہر حسین صاحب زیدی و ڈاکٹر محمد حسین صاحب بُری طرح زخمی ہوئے۔ بہت سے آدمی پیچھے کے ٹرکس سے بھاگ کر جنگل میں چھپ گئے بہت سے اسٹیشن پر پہونچ کر گاڑی میں سوار ہوئے۔ غرض کہ جو بچے بمشکل متھرا پہونچے۔ شہدا کو متھرا میں دفن کیا گیا زخمی داخل ہسپتال کرائے گئے باقی آگرہ پہونچے بعد میں سب آگرہ پہونچ گئے۔ بھرتپور سادات سے قطعی خالی ہو گیا۔ جو فوجی حفاظت کو آئے تھے اُنھوں نے بھی اس قافلے کا بہت سا سامان لوٹا اور قتل کرایا۔ ایک شخص درزی اس قافلے سے بھاگ کر بھرتپور پہونچا اور وہاں جا کر شدھی ہو گیا۔ سُنا ہے کہ پھر مسلمان ہو کر آگرے پہونچا۔

۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کو فوجی افسر کی معرفت اہل بہرسر کو اطلاع ملی کہ اب اُن کا بہرسر میں رہنا دشوار ہے۔ مہاراجہ کا حکم ہے کہ اہل بہرسر کو ندبئی اسٹیشن پر بحفاظت پہونچا دیا جائے وہاں سے جہاں چاہیں جائیں۔ اہل بہرسر نے کہا کہ بجائے ندبئی اسٹیشن کے اُن کو بھرتپور اسٹیشن پر پہونچا دیا جائے بہت ردوقدح کے بعد جب اُس افسر کو بہت کافی روپیہ رشوت کا دیا گیا تو اُس نے رضامندی ظاہر کی کہ بھرتپور اسٹیشن پر پہونچا دے گا۔ سید زاہد حسین نمبردار کو اس طرح جانے میں شک ہوا وہ معہ اپنے سالے سید آل شبیر کے ایک حویلی میں جو جنگل میں واقع ہے جا چھپے وہاں سے سیولا پہونچے وہاں اُن کے جاٹ دوست نے رفاقت کی۔ کئی روز اپنے مکان میں چھپائے رکھا اور پھر آگرہ دونوں کو پہونچا دیا۔ باقی تمام مسلمان سادات اور دیگر رعایا مرد و عورت۔ بچے ٹرکس سرکاری میں سوار کئے گئے۔ جب ٹرک بجائے بھرتپور کے ندبئی کی طرف جانے لگا تو اہل بہرسر نے احتجاج کیا مگر فوجیوں کا حکم خاموش رہنے کا ملا۔ بالآخر اُن کو ندبئی اسٹیشن پر پہونچا دیا گیا۔ کچھ آدمی فوجیوں کو روپیہ دے کر اُن کے ٹرک میں ہی اسٹیشن ندبئی سے واپس آکر بھرتپور پہونچے۔ کچھ ٹرک سے اتر کر اور چھپ کر پھر بہرسر آگئے یعنی منشی سید حسین احمد صاحب محرر مویشی خانہ۔ سید محمد اسحاق صاحب و سید ضیاء حسنین صاحب پوکھرہ اور کئی آدمی بہرسر واپس آکر وہاں شہید کئے گئے۔ ضیاء حسنین ولد اکبر حسین دو رات اور ایک دن نگلہ بھوبلے چوبدار میں چھپ کر تیسرے دن آگرہ پہونچے۔

باقی اشخاص جو ندہی اسٹیشن پر رہ گئے اُن کی تلاشی پنڈت ہری شنکر تحصیلدار اور سب انسپکٹر پولیس نے لی۔ عورتوں کی تلاشی عورتوں سے لوائی جو سامان مال نقدی اس قافلے کے پاس برآمد ہوا وہ چھین لیا گیا۔ ٹوئیل بور رائفل (یک) معمولی رائفل (چار) بھر مار دیسی بندوق (یک) کارتوس (سو عدد) ان کے پاس سے برآمد ہوئے جو حفاظت کے لئے ان لوگوں نے رکھے تھے وہ ان سے لے لئے گئے اور اس کی رسید سید آل باقر صاحب کو دی گئی اُس کے بعد اہالیان ریلوے نے بوقت شب اس قافلے کو بجائے آگرہ جانے والی ٹرین کے باندی کوئی جانے والی ٹرین میں سوار کرایا جب ٹرین سگنل پار پہونچی تو چوکی ریلوے پر جو مشہور مقام کلب برچھ کے سامنے ہے ٹرین ٹھیرا دی گئی۔ بجلی گل کر دی گئی اور جاٹ گوجر۔ مینہ۔ اچھوت بلوائی ساکن ملحقہ دیہات نے جو بھلسہ۔ بلم۔ کلہاڑی وغیرہ اس قسم کے ہتھیاروں سے مسلح کئے گئے تھے ٹرین کو آگھیرا اور بڑی بیدردی سے سادات و دیگر مسلمانوں کو لوٹا۔ شہید کیا اور جوان عورتوں کو اغوا کیا۔ چند مرد و عورتیں کھیتوں میں چھپ کر اور جان بچا کر کئی دن جنگلوں میں حیران و پریشان ہو کر شاہ گنج پہونچے اور یہ دردناک حالات بیان کئے۔ جلال بارہ کے امام بارہ سے پنجہ شریف جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور چاندی کی ضریح نذر کردہ آغا سید ابوالقاسم صاحب و پنجہ۔ پٹکے وغیرہ کو محمد ثقلین صاحب اپنے ہمراہ اسی ہنگامہ میں لائے مگر جب ٹرین لُٹی ہے تو یہ تبرکات بھی بلوائی لیگئے۔

اس سانحہ میں منجملہ دیگر مسلمانوں کے حسب ذیل سادات کا شہید کیا جانا بیان
کیا گیا ۔ سید آل حسن صاحب ولد سید علی حسین علائی پاڑہ ۔ سید حسین رضا صاحب
ولد طفیل سید علی رضا علائی پاڑہ ۔ پسر و دختر خورد سید حسین رضا صاحب علائی پاڑہ ۔
بدھا ولد غفور پروردہ طفیل سید علی رضا علائی پاڑہ ۔ نور الحسن ولد حسین بخش پروردہ میر
طفیل حسین علائی پاڑہ ۔ سید محمد علی صاحب ولد محمد تقی علائی پاڑہ ۔ زوجہ سید محمد علی صاحب
علائی پاڑہ ۔ دو پسران سید محمد علی صاحب علائی پاڑہ ۔ بیوہ سید آل نبی صاحب علائی
پاڑہ ۔ بیوہ میر سید محمد صاحب نمبردار چوہیا جلال پاڑہ ۔ سید جرار حسین صاحب ولد سید محمد
جلال پاڑہ ۔ بیوہ سید حسین خالہ جرار حسین جلال پاڑہ ۔ سید علی محمد صاحب ولد آل محمد
جلال پاڑہ ۔ سید نادر حسین صاحب ولد سید محمد جلال پاڑہ ۔ دو دختران نادر حسین صاحب
جلال پاڑہ ۔ سید آل رضا صاحب عرف نہراری ولد آل عبا جلال پاڑہ ۔ سید محمد اسحاق
صاحب ولد میر مستجاب حسین جلال پاڑہ ۔ سید شمس الحسن صاحب ولد سید حسین علائی پاڑہ
سید ضیا حسنین صاحب ولد شمشاد حسین پوکرا علائی پاڑہ ۔ سید اصغر حسین صاحب ولد
سید اکرام حسین جلال پاڑہ ۔ سید حسین احمد ولد صغیر علائی پاڑہ ۔ سید زوار حسین صاحب
عرف جمعہ نمبردار ولد سید ناظم حسین علائی پاڑہ ۔ سید حسین صاحب حوالدار ۔ نمبردار ڈیڑھ پٹی
ماسٹر سید آل رضا صاحب ولد میر آل محمد ڈیڑھ پٹی ۔ سید رضا حیدر صاحب ولد ماسٹر
آل رضا ڈیڑھ پٹی ۔ سید حسین احمد صاحب محرر مویشی خانہ پہر سر ولد سید خورشید حسین
چھٹی ولد بہادر علی ڈیڑھ پٹی ۔ صدیق فرزند حبیب چھٹی ۔ سید مرتضیٰ حسین صاحب

ساکن جانسٹھ محرر مال تحصیل ندبئی۔ پسر خورد سید مرتضیٰ حسین[۳۳]۔ سید آل باقر صاحب[۳۴] ولد
سید آل حسنین۔ قریب ۱۸ اشخاص کسی نہ کسی طرح بچ آگرہ شاہ گنج پہونچے۔

اس دغابازی سے سادات و دیگر مسلمانان اہل بھر سر کو لوٹنے اور قتل کرنے کے بعد بھر سر سادات سے بالکل خالی کرالیا گیا اور اُس میں سکھ شرنارتھیوں کو ریاست کی طرف سے آباد کیا گیا ہے۔ آراضی زرعی کا انتظام بذریعہ پٹہ جات ریاست کی طرف سے ہوتا ہے اور کل روپیہ نیلام پٹہ جات وسالانہ لگان وغیرہ پہلے خزانہ ریاست بھرتپور میں جمع ہوتا تھا اب جب سے ریاست کا الحاق راجستان یونین سے ہوا ہے یہاں کے خزانہ متعلقہ میں جمع ہوتا ہوگا۔ اس تمام روپیہ کے حقدار اہل بھر سر اولاد سید شمس الدین معافی دار ہیں جن کو مہاراجہ سوائی جے پور صدر راجستان یونین سے اس معاملہ کو رجوع کرکے درخواست کرنی چاہیے کہ یہ روپیہ وقف شدہ معافی کا برائے عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام سادات بھر سر کے پاس مملکت پاکستان میں بھیجا جائے اور آئندہ بھیجا جایا کرے۔ مملکت پاکستان کی معرفت سادات بھر سر کو تقسیم ہونے کے لئے اولاد سید شمس الدین سے ایک نمائندہ جماعت مقرر کردی جائے۔ تمام سادات بھر سر مملکت پاکستان میں ہجرت کرکے آچکے ہیں جن میں سے زیادہ تر تعداد کراچی میں ہے باقی حیدرآباد سندھ، تحصیل ماتلی و دیگر علاقہ جات سندھ۔ لاہور، مغربی پاکستان میں پناہ گزین ہیں۔ کراچی میں آئے ہوئے سادات زیادہ تر حاجی کیمپ۔ گولی مار اور دوسرے کیمپوں میں، بڑی

مفلوک الحالی اور بے بسی میں گذر بسر کر رہے ہیں۔

باب چودھواں

تاریخ قدیم

معافی داران پیر سر سادات جعفری شیرازی چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ نہ تو کوئی روایت دستیاب ہوئی نہ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کون بزرگ کب اور کہاں سے شیراز میں آکر سکونت پذیر ہوئے البتہ تواریخ کی ورق گردانی کرنے اور دورِ انقلابی و ناسازگار حالات کی بنا پر پایا جاتا ہے کہ بعد وفات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جب اُن کی اولاد اور دوسرے سادات پر مدینہ منورہ میں عرصہ حیات تنگ ہونے لگا اور سنہ ۱۷۰ ہجری مطابق سنہ ۷۸۶ء کے بعد بزمانہ خلیفہ ہارون رشید عیسیٰ الجلودی اور اُس کی فوج نے سادات کو تاخت و تاراج کیا تو محمد مامون بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی دیگر سادات بنی حسن و اولاد زید شہید و ذُرّیت عبداللہ ابن جعفر وغیرہ کے ساتھ حکومت کے خلاف عَلَم دفاع بلند کیا اور بالآخر اُس زمانہ پُر آشوب میں غدر سے تنگ آکر سادات نے حدود حجاز و عراق سے ہجرت

کر کے حدود ایران کے مقامات شیراز وغیرہ کو اپنا مامن و مسکن ٹھیرایا۔ غالباً اسی سلسلے میں محمد مامون یا اُن کی اولاد شیراز میں آکر آباد ہوئی اور اپنے کو شیرازی موسوم کیا۔ شجرۃ النسب امام عالی مقام سے صرف شاخ مورث اعلیٰ معافی داران بہر سر تک حسب ذیل ہے:۔

سید شمس الدین

سید محمد

سید عبداللہ قلندرؒ — سید سکندرؒ

سید احمد

سلطان

جعفر

ابو طاہر

حسن حارضی

علی خاصی

علی الحارضی

محمد مامون

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپؒ کو موضع بہر سر معافی میں بعہد سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی بوساطت خواجہ ابوبکر قندھاری سپہ سالار بجُس کارگذاری فتح بیانہ ۴۳۷ھ ہجری اور ۴۵۳ھ کے درمیان عطا ہوا۔

۳۸۷ھ ہجری مطابق ۹۹۷ء بعہد سلطان محمود غزنوی سید عبداللہ قلندر معہ

اپنے بھائی سید سکندر کے شیراز سے آکر فوج سلطانی میں ملازم ہوگئے اور جو رسالہ جات زیر کمان خواجہ ابوبکر قہستانی مشہور قندھاری سپہ سالار تھے اُن کی ماتحتی میں تعینات ہوئے۔

عطیہ پھر سرمعہ معافی وزمینداری

سنہ ۱۰۳۱ھ میں جب خواجہ ابوبکر قندھاری حسن روغن گر کے ہمراہ بارہ ہزار سوار کا لشکر لیکر راجہ بجے پال والئی بیانہ کے استیصال کے لئے وارد ہندوستان ہوئے تو اس لشکر میں سید عبداللہ قلندر کو سید سکندر جعفری شیرازی بھی ہمراہ تھے اثناء راہ میں لوہا گدھی عرف جوگی پورہ ایک پھر میں سر کر کے پھر سر نام رکھا اور پھر لڑتے ہوئے بیانہ پہونچے وہاں قلعہ بیانہ کو فتح کیا اُس کے بعد جب عمائدین و افسران کو معافی و جاگیرات سنہ ۳۲ ہجری کے بعد عطا ہوئیں تو بوجہ معاش نسلاً بعد نسل سید عبداللہ قلندر کو موضع پھر سر معافی میں اور چند دیہات جاگیر میں ذریعہ فرامین شاہی عطا ہوئے جاگیری دیہات بعد میں ضبط ہوگئے پھر سر کی معافی اب تک بحال رہی - اور یہ معافی ہمیشہ شاہی معافی تسلیم کی جاتی رہی ہے - شاہان ماسلف کے زمانہ میں اس کے متعلق تحریری فرامین بھی جاری ہوتے رہے ہیں - بعد میں بعہد سلطان جلال الدین محمد اکبر اصل و تجدیدی فرامین بموجب احکام گشتی ۹ ربیع الاول سنہ ۹۰۳ ہجری جلوس سنہ ۱۱ اہل پھر سر نے داخل محافظ خانہ شاہی کر دیئے - تجدیداً جو سندات ملیں یا بعد کے فرماں روایان سے حاصل کی گئیں وہ مقدمہ تقسیم آراضی سکنی دیہہ میں جو سنہ ۱۸۸۲ء عہد مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب

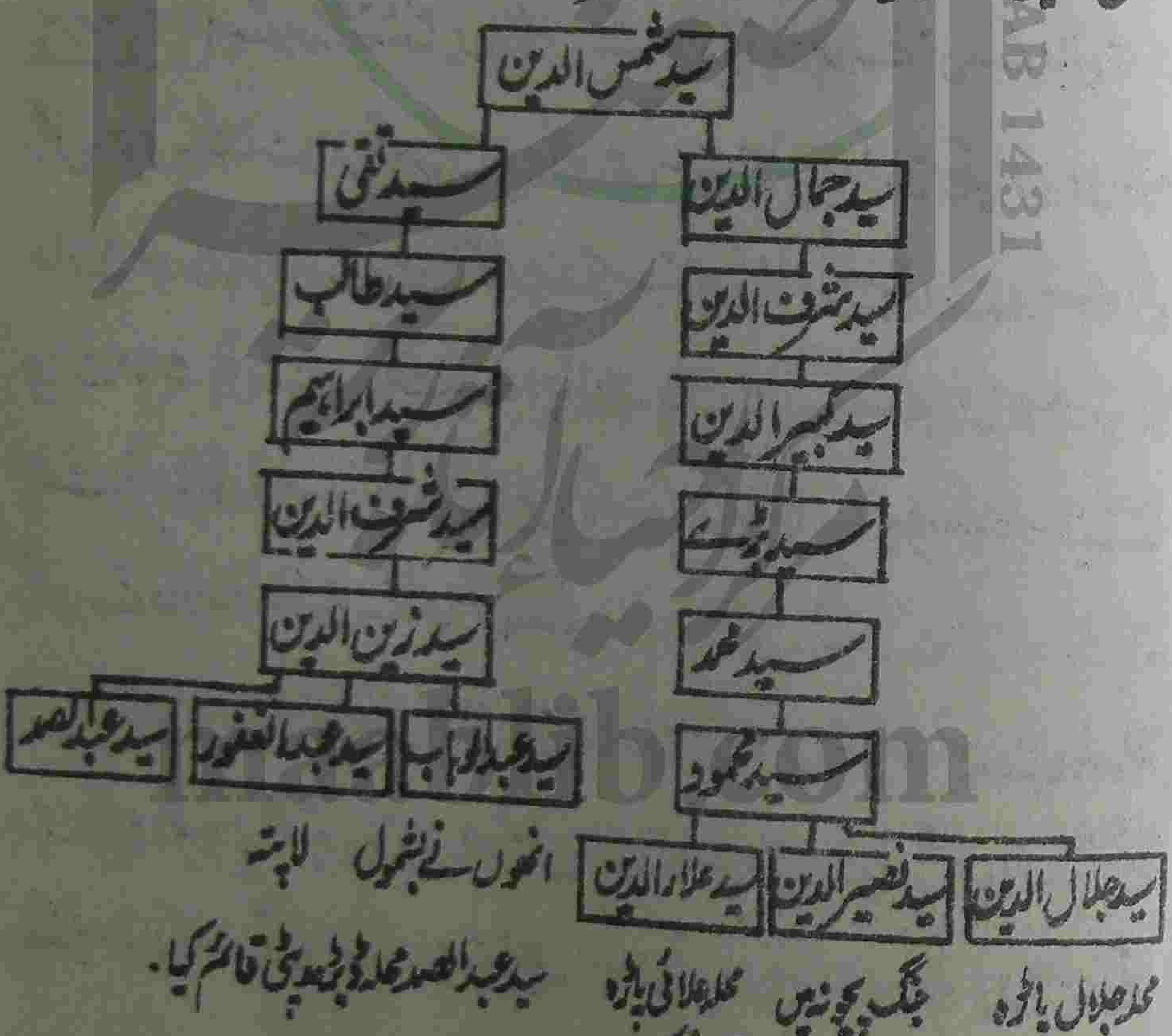
میں ہوا داخل کرائی گئیں اُن کو محافظ خانہ مال بھرتپور میں مثل تقسیم کے اندر ۱۹۴۷ء تک دیکھا گیا ہے بعد میں خدا معلوم جاٹ حکومت نے اُن کا کیا کیا ہو۔ بقول اُن کی آخر میں درج کی جاتی ہیں۔ دیگر سندی کاغذات جو اہل بھرسر کے پاس تھے وہ اول حملہ ۲۶ جون ۱۹۴۷ء کی غارت گری و آتش زنی میں جو ہزاروں ہندو بلوائیوں نے کی ضائع ہو گئے۔

ابتدائی آبادی گاؤں بھرسر

سید عبداللہ قلندر کی اولاد کا سلسلہ نسب دفاتر سرکاری میں سید شمس الدین اُن کے پوتے سے مرتب ہوا ہے اس لئے عموماً اہل بھرسر کو یہی معلوم ہے کہ اُن کے مورث اعلیٰ سید شمس الدین ہیں حالانکہ ابتدائی معافی دار بھرسر سید عبداللہ قلندر ہیں اور وہی مورث اعلیٰ معافی داران بھرسر ہیں۔

سید شمس الدین کے دو بیٹے تھے سید جلال الدین و سید تقی۔ سید جلال الدین سے پانچویں پشت میں سید محمد محمود معہ اپنی اولاد کے سب سے پہلے ۷۸۲ھ مطابق سنہ ۱۳۸۰ء میں بیانہ سے دست بردار ہو کر بھرسر میں آباد ہوئے اور نئے طریقہ پر آبادی کی تشکیل اس طرح پر ہوئی کہ سید محمود کے بڑے بیٹے سید جلال الدین نے جلال پاڑہ اور تیسرے بیٹے علاءالدین نے علائی پاڑہ محلے قائم کر کے گاؤں کے جانب شرقی آبادی قائم کی اور ڈومعافی پٹی کی زمین و معافی زرعی و سکنی پر قابض ہو گئے۔ دوسرے بیٹے نصیرالدین جنگ بچونہ میں کام آئے۔ سید شمس الدین کے دوسرے بیٹے سید تقی سے چوتھی پشت میں سید زین الدین معہ اپنی اولاد کے بعد آمد نے

سید محمود بیانہ سے دست بردار ہوئے اور بھرسر میں آکر آباد ہوئے ان کے بڑے بیٹے سید عبدالوہاب اور تیسرے بیٹے سید عبدالصمد نے گاؤں کے غرب میں آبادی قائم کی اگرچہ یہ دونوں حصص جدی یہ نصف کے حقدار تھے مگر بعد میں آکر آباد ہونے اور صرف ڈیڑھ بٹی کی زمین و معافی باقی رہنے کے سبب اُسی پر قابض ہوئے اور اسی بناء پر محلہ کا نام بھی ڈیڑھ بٹی رکھا۔ تیسرے بیٹے عبدالغفور کا پتہ نہیں کہ لاولد فوت ہوئے یا اُن کی اولاد کیا ہوئی۔ اسی سبب بندوبست قانونی سنہ ۱۹۰۰ء ریاست بھرتپور میں صورت دیہہ بھیاچارہ غیر مکمل درج کاغذات دیہی کی گئی ہے۔ سید شمس الدین سے بانیان دیہہ تک کا شجرۃ النسب حسب ذیل ہے:۔



چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں جدید آبادی پہرسر کی بنیاد قائم ہوئی جو اب تک اُسی طریقے پر باقی ہے پہر زمانہ کے حکمراں اور جالونس کی علمداری میں اُن سے پورا تعاون معافی داران پہرسر نے رکھا بلکہ یہاں تک رسوخ پیدا کیا کہ اکثر بزرگان مہاراجگان کے مشیر خاص رہے اور امور ریاست و محلات مہاراجگان میں بھی اُن کو کافی دخل رہا۔ اس لئے اب تک کل قصبہ اور اس کی زمینداری و معافی سادات جعفری کے قبضہ میں رہی۔ دیگر اقوام پیشہ ور بطور ان کی رعیت کے آباد تھی۔

سادات ہیلک کا پہرسر میں آنا

سادات رضوی و تقوی الرضوی ہیلکی بسلسلہ رشتہ داری زوال ہیلک کے بعد ۱۷۶۵ء میں یا اس کے بعد آکر آباد ہوئے جن کے عالی شان محل۔ حویلی۔ مکانات اس قصبہ میں ہیں اُن میں سے بعض بزرگ ہستیاں ایسے مدارج عروج پر پہونچے کہ جن کا شمار ہندوستان کی نامور شخصیتوں میں ہے اگر حیات ممات باقی ہے۔ وقت نے اجازت دی۔ احباب نے اس سلسلہ کی ہمت افزائی کی تو انشاء اللہ مشاہیر سادات پہرسر ہیلک وغیرہ کے سلسلہ میں تفصیلاً اُن کے حالات درج کئے جائیں گے۔

سادات ہیلکی حقوق معافی و زمینداری پہرسر میں شریک نہیں ہیں بذریعہ رہن۔ بیع وغیرہ کچھ حقیتیں جو غیر اولاد شمس الدین نے حاصل کر لی تھیں اُن کو ۱۹۱۵ء کے فیصلہ ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ میں ناجائز قرار دیا گیا اس لئے تکمیل جمع بندی

بندوبست حال سمت ١٩٨٢ بکرمی میں ایسے اندراجات کو مثل حقیت بندوبست کی کھیوٹ سے خارج کر دیا گیا ہے۔

سادات بھر سر کا دیگر مقامات پر جانا اور سکونت اختیار کرنا

ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا پورا اقتدار ہونے اور حکمران ریاست بھرتپور کے برٹش حکومت کے زیر نگیں آنے پر جب علاقہ جات برطانیہ میں تعلیمی ترقی کے مراکز قائم ہوئے اور ذرائع آمد و رفت و رسل و رسائل میں آسانی و آزادی ہوئی۔ زمانہ پر امن ہو گیا۔ سادات ہیلک نے جن سے سادات بھر سر کی رشتہ داریاں قائم ہو چکی تھیں شاہزادہ گنج جو اب شاہ گنج اکبر آباد (آگرہ) میں ہے آباد کر لیا تو بہت سے خاندان بھر سر سے بسلسلہ تعلیم و ملازمت و دیگر کاروبار شہر و شاہ گنج میں جا کر آباد ہو گئے۔ بہت سے خاندان بسلسلہ ملازمت و دیگر کاروبار صدر مقام بھرتپور۔ ریاست ہائے دھول پور۔ الور۔ قرولی۔ کوٹہ۔ گوالیار۔ اندور۔ ٹونک۔ جھالاوار۔ جاورہ و دیگر علاقہ جات برطانیہ میں چلے گئے اور اکثر نے وہیں سکونت اختیار کر لی مگر اپنے آبائی وطن بھر سر کو کبھی کسی نے فراموش نہیں کیا۔ ادائے رسومات محرم۔ شادی و دیگر تقریبات یا آراضیات و حقوق معافی کی دیکھ بھال اور حساب کتاب کو برابر آتے جاتے رہے ہیں۔

کا وقار

سادات بھر سر معافی داران بھر سر ریاست بھرتپور کے ہر شعبہ میں ملازم رہے اور بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ مہاراجگان تک ان کے رسوخ تھے دیگر ہمعصر حکام ریاست و رعایا سے اچھا سلوک اور خوش اخلاقی کے باعث ہمیشہ

نمایاں شخصیتوں کے مالک رہے۔ ریاست میں ان کی بڑی توقیر اور عزت تھی۔ یہی سبب تھا کہ باوجود صدر مقام ریاست سے ۴۸ میل کی دوری پر ہونے کے جب کہ چاروں طرف اہل ہنود اور خاص کر جاٹوں کے دیہات تھے کبھی کوئی ہندو مسلم یا کسی قسم کا فساد۔ جھگڑا وغیرہ باہم ان کے اور زمینداران ملحقہ دیہات کے نہیں ہوا جیسا کہ اکثر دیہات کے مابین ہوا کرتا ہے۔

عہد مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب تک ان کی معافی کے متعلق کبھی کوئی سوال نہیں اٹھا۔ بعد مہاراجہ صاحب موصوف جب ریاست کا انتظام بوجہ بدنظمی اور نابالغی مہاراجہ۔ برٹش گورنمنٹ کے تحت آیا اور پردیسی حکام کا ریاست میں دخل ہوا تو اس معافی کی ضبطی کے لئے بھی تدبیریں ہونے لگیں اور خلاف قاعدہ و قانون پھو زمین کی ضبطی کے احکام نااہل مہاراجہ رام سنگھ کے زمانے میں نافذ کرادیئے گئے مگر معافی داران بہر سر کی متفقہ کوشش اور خاص طور پر حاجی سید جعفر حسین صاحب مشہور لندنیا سابق وزیر اعظم کوٹہ و سید ذوالفقار علی صاحب رکابدار ذوالجناح بہر سر خیرخواہ غدر ۱۸۵۷ء و سند تمغہ یافتہ برٹش ایمپائر کے تدبر۔ خاص اثرات اور دوڑ دھوپ سے معافی واگذار ہو کر تمام معاملات دیجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ کی اجلاس سے ۱۹۱۵ء میں بحق معافی داران بہر سر فیصل ہو گئے اور آئندہ ضبطی معافی کا سوال ہی باقی نہیں رہا۔

باب پندرھواں

نقل فرمان عطیہ محمد جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی

غازی ۹۶۹
اکبر بادشاہ
محمد
جلال الدین

ھو الغنی

طغرہ
غازی
اکبر بادشاہ
محمد
فرمان جلال الدین

دریں وقت غریب عالی شان واجب الاذعان

شرف صدور یافت کہ مواضی مدد ہزار ششصد بیگہ زمین از بہر سرکار بیانہ
کہ مقبوضہ ساوات عظام مفصلہ ضمن است بہماں دستور بر ایشان متعلق باشد کہ
داخلی آں را تمام وکمال در مدد معاش خود متصرف شدہ حضور دعاگوئے دوام
دولت روز افزوں قیام واقدام نمایند ووابستہ جاگیرداران وعمال پرگنہ مذکور
بعلت باتوجیہات واخراجات وعوارضات چون قنلغہ وداروغگانہ ومحترقہ ومہرانہ و
ضابطانہ وجریبانہ وپیش کش وساواہی وکل تکالیف دیوانی وجہات سلطانی
مزاحمت بحال ایشاں ومزارعان ایشاں برسانند واز جمیع حوالات ومساورات
مطلقاً پیراموں نگردد حکام کرام ودیوانان عظام ومتاشان امور واشغال سرکار
مذکور حسب المسطور مقرر داشتہ تغیر وتبدل بقواعد در عہدہ داشتہ از فرمود
در نگذرند وہر سالہ استیانت فریب دیروانہ مجددا طلب ندارند فقط
۹ ربیع الاول سنہ ۹۰۳ ہجری نبوی صلعم سنہ ۲۱ جلوس ابد مانوس شاہ معدلت پناہ

غازی المغازی اکبر آباد

عبدہٗ محمد طاہر بن میر خسرو

ابن میر خسرو
مہر
بندہ مخلص محمد طا

بندہ اشرف خاں

پشت فرمان پر تین دستخط اور ایک مہر کلاں ہے۔

نقل فرمان نواب نجف خاں بہادر

شاہ عالم بادشاہ
غازی ۱۱۸۷ھ
غالب فدوجنگ
ذوالفقار الدولہ مرزا
نجف خان
بخشی الملک

ہوالغنی

بدانند
اکبر آباد

عاملان حال و استقبال موضع بہرسر علہ پرگنہ ندبی مضاف مستقر الخلافت

موازی دو ہزار شش صد بیگہ آراضی در موضع مذکور عملہ پرگنہ مسطور در وجہ معاش سید

احمد علی وغیرہ سادات بموجب فرمان والاشان و اسناد از قدیم مقررہ است در ینولا

از سرکار ہم مطابق آں معاف و اگذار نمودہ شد باید کہ آراضی مذکور را حسب الضمن در

وجہ معاش آنہا بدستور سابق بحال دانستہ بتصرف مشارٌالیہا واگذارند و توجہے مزاحمت زرسانند در ہر امور مرجوعہ آنہا مراتب امداد و اعانت تعمیل آوردہ باشند کہ حاصلات آن را صرف مائیحتاج خود ہا نمودہ بدعائے ارتقائے جاہ و حشمت مواظبت نمایند دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید انگارند۔

مرقوم تاریخ بست و سوم شہر ذی الحجہ سنہ ۱۸ جلوس والا مطابق سنہ ۱۱۹۰ ہجری

مہر
بخشی لال سنگھ
سنہ ۱۱۹۰ ہجری

نقل فرمان بخشی لال سنگھ

سید احمد علی و سید نصر اللہ و سید عمران علی و محمد علی ساکن بہر سر بدانند باید کہ بخاطر جمع در دہات خود آمدہ آباد شوند و ہیچ وسوسہ بخاطر نیارند و توجہے شایاں مزاحمت نیست و زمرہ رعایا را از دہات طلبیدہ بخاطر جمع آباد بکنانند و نواب غائب انچہ کہ معاف کردہ است ازیں طرف کہ ہم معاف کردہ شد کہ تا ایں حال عامل سرکار از آنہا مزاحم نشود بخاطر جمع آباد شوند زیادہ چہ نگارش رود

تحریر فی التاریخ شہر ذی الحجہ سنہ ۱۸ جلوس والا شاہ عالم بادشاہ غازی سنہ ۱۱۹۰ ھ

نقل فرمان ناصر الدولہ احسان ظفر خاں مدار المہام ڈیگ

طغرہ
محمد شاہ عالم غازی بجنگ
فدوی احسان ظفر خاں بہادر
ناصر الدولہ سنہ ۱۱۹۱

محمد شاہ عالم ۱۱۹۱
غازی
بجنگ فدوی بادشاہ
احسان ظفر خاں بہادر
ناصر الدولہ

هو الغنی

عاملان حال و استقبال موضع پھرسر پرگنہ ندبئی مضاف صوبہ اکبر آباد بدانند موازی دو ہزار شش صد بیگہ آراضی از موضع مذکور عملہ پرگنہ مسطور موافق پروانہ حضور بندگان عالی متعالی در وجہ معاش سید احمد علی وغیرہ سادات پھرسر مقرر است باید کہ آراضی مذکور بطبق پروانہ حضور بمشار الیہا بحال داشتہ بہ تصرف مشار الیہ وا گذارند و توجہے مزاحمت برسانند و در ہر امور مرجوعہ ایشان ممد و معاون باشند کہ حاصلات آں را مایحتاج خود ہا نمودہ بدعائے ارتقائے جاہ و حشمت حیات عالی مواظبت نمایند دریں باب تاکید دانند۔

مرقوم سیزدہم ذی الحجہ سنہ ۱۱۹۱

نقل فرمان قاضی محمد اسحاق

محمد ۱۱۹۰
خادم شرع
قاضی
اسحاق

ہوالغنی

چوں در ایام حکومت نواب ناصر الدولہ بہادر مرحوم کہ
صمصام الدولہ ملک محمد خاں بہادر بطور جہت تنبیہ و تادیب قلع و قمع ضبط و ربط محالات
جاٹ مقرر، چنانچہ از طرف صمصام الدولہ بہادر رستم بیگ را عامل پرگنہ ندبئی عرف
آصف آباد شدہ و جماعت سادات المومنین کہ سکونت در موضع بھر سرد اشتند آوردہ
در کچہری مبلغ پانصد و ہفتاد و پنج روپیہ الواب علت زمین خالصہ تمسک گرفتہ بود
و بعد نواب ناصر الدولہ بہادر مرحوم پرگنہ مذکور را در جاگیر و رسالہ میرزا محمد امین خان
بہادر مظلوم شہید مشخص فرمودہ و بندہ ہائے درگاہ غلامان سرکار فیض آثار جناب
ائمہ ہدا علیہم السلام مراد بیگ خاں و یاد علی بیگ و مرزا محمد کاظم و شاہ علی بیگ و
باقر بیگ۔ علی اکبر بیگ کہ دریں جا آمدہ از قانون گویاں و چودھریان و زمینداران
ساکنین پرگنہ تحقیق نمودیم کہ از ہشت و صد سال موضع بھر سر کہ در جاگیر سادات عظام
ذوی الاحترام از بادشاہان سلاطین پاسبان مقرر بودہ احدے تکالیف یک روپیہ و

یک حبہ نکردہ است چوں بدعت محض بود نظر از غربائے سادات عظام نمودہ کہ تمام
خلاف عمودہ است وپیمان تمسک پانصد وہفتاد وپنج روپیہ را وایس بسادات
ساکنین موضع پہر سر دادہ لہذا ہر کس کہ از مسلمان امید واری شفاعت از جناب
فیض مآب حضرت رسالت صلعم وجناب حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام وہندو
از دھرم خود امید داشتہ باشد بہ لعنت خدا ونفرین حضرت رسول اللہ ودر صحرائے
محشر روسیاہ باشد کہ بعد ازیں بعلت اخذ وجبر وزمین خالصہ بجماعت مذبور تکلیف
نماید ودر خورست یک روپیہ ویک حبہ نماند منجوجہ من الوجوہ مزاحمت نرسانند کہ
بفارغ خطی تمام در تعزیہ داری حضرت ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام بودہ دعائے
دوام دولت مشغول باشد بنا برایں چند کلمہ بطریق معافی نامہ نوشتہ دادہ شد کہ
ثانی الحال سند باشد۔ تحریر ۵ ار شہر ذی الحجہ سنہ ۲۵ جلوس فقط مطابق سنہ ۱۱۹۷ھ

مہر بیضاوی
معینو
مراد ہر دو جہاں
محمد حاصل
۱۱۸۸

مہر مربع
الکاظمین المحفیظ
سنہ ۱۱۹۶
والنا خلق الناس

مہر مربع
محمد حسین
عبدہ
۱۱۸۵

مہر مستطیل
امیدوار شفاعت
از محمد شام علی

مہر مستطیل
محمد بفریاد باقر رسید
چو روز قیامت مکرر رسید

مہر بیضاوی
ہو العلی الاکبر
۱۱۸۸

مہر بیضاوی
یلمنت
سپہدار ...
محمد علی عامل گنبہ ...
۱۱۸۵

عبارت ہندی جو صاف نہیں پڑھی جاتی۔

مہریں مندرجہ بالا فرمان مذکورہ کے حاشیہ پر ثبت ہیں اور پشت فرمان پر جو عبارت ہے پڑھنے میں نہیں آتی۔

طغرہ
خادم شرع
قاضی محمد اسحاق
١١٩٠

امیدوار شفاعت
محمد شام علی

محمد باقر
١١٩٠

محمد حسین
عبدہ
١١٨٥

مہر
خادم شرع محمد اسحاق
قاضی ١١٩٠

نقل فرمان افتخار الدولہ نواب محمد بیگ ہمدانی

شاہ عالم بادشاہ
١١٩٣ غازی
جنگ بہادر غالب
نجف خاں امیر الامرا ذوالفقار الدولہ مرزا
فیروز جنگ بہادر افتخار الدولہ محمد بیگ خاں

مقدمان و مزارعان موضع ڈھرہ پرگنہ ندبئی بدانند
دریں ولا موضع مذکور من ابتداے فصل خریف سنہ ١١٩٢ فصلی در وجہ معاش و جاگیر

سید احمد علی و نادر علی و فتح علی و رحمت علی و روشن علی و ثابت علی وغیرہ سادات مقرر نمودہ شد کہ رعایا از حسن سلوک خود راضی و شاکر داشتہ بابود و اجب را بروقت تحصیل نمودہ بتصرف معیشت خود ہا در آرند و بادعیہ دولت ابد مدت حضرت قدر قدرت موظف و مصروف باشند می باید کہ ششش مشار الیہا حاضر و رجوع بودہ مصروف رعیت گری و مال گذاری باشند و نوعے از حاضر باشی و مال گذاری اختلاف و انحراف نورزند دریں باب تاکید و اکید دانستہ و قدغن مزید انگاشتہ حسب المسطور بعمل آرند مرقوم سیزدہم شہر ذی قعدہ ۲۶ سنہ جلوس والا

عبارت پشت شقہ بموجب سوال دستخطی

نقل شقہ مہاراجہ مادھوراؤ سیندھیا بنام ٹھاکر رنجیت سنگھ بہادر جنگ

عبارت لفافہ

بمطالعہ ٹھاکر صاحب مہربان ٹھاکر رنجیت سنگھ بہادر بہادر جنگ سلمہ الگوپال

مہر بشکل مربع

مہر سیندھیا

سری ناتھ
وکیل مطلق عالیجاہ بہادر
مہاراجہ مادھوراؤ سیندھیا

ٹھاکر صاحب مہربان سلمہ الگوپال

موضع بہر سر پرگنہ ندبئی مسکن سادات از قدیم بموجب فرمان جہانگیر شاہ و نواب ذوالفقار الدولہ

بہادر مرحوم بسادات مذکور بطریق ائمہ معاف و واگذاشت و از سند خاندان مہربان منہا و الحال ہم در پروانہ سرکار داخل نیست لہذا قلمی می رود کہ موضع مذکور را از جائداد خود منہا دانستہ در تحت و تصرف سادات واگذارند و زنہار محور تکلیف اینہا نشوند کہ استرضائے خاطر است زیادہ چہ قلمی رود فقط

نقل فرمان عطیہ مرزا محمد شفیع خاں

شاہ عالم بادشاہ غازی
ذوالفقار جنگ فدوی

مرزا محمد شفیع خاں سنہ ۲۴
بہادر وفادار سپہ سالار ناصر الدولہ
بخشی الممالک امیر الامراء

عمال حال و استقبال پرگنہ ندبی صوبہ مستقر الخلافہ اکبر آباد بدانند سید احمد علی وغیرہ سادات بحضور التماس نمود کہ موازی دو ہزار شش صد بیگہ آراضی از موضع بہر سر پرگنہ مذکور بموجب فرمان والا شان و پروانہ جنت آرامگاہ در وجہ مدد معاش دعاگویاں از قدیم مقرر است امیدوار است کہ پروانہ مجدداً از سرکار مرحمت شود دستخط شد موافق معمول پروانہ بنویسند لہذا نظر بر استحقاق نگارش می رود

کہ آراضی مذکور را موافق معمول بدستور قدیم بتصرف و اختیار مشارٌ الیہا واگذارند کہ حاصلات آن را صرف مایحتاج خود نمودہ بدعائے دولت ابد موا ظبت و اشغال داشتہ باشند دریں باب تاکید دانستہ حسب المرقوم تعمیل آرند۔

تحریر تاریخ یازدہم جمادی الثانی سنہ ۲۵ جلوس

بموجب سوال و دستخطی

نقل فرمان عطیہ مہاراجہ صاحب بہادر

مہر مہاراجہ صاحب بہادر
ن در

یہ مہر پھٹ گئی ہے صرف ن در پڑھا جاتا ہے

عاملان حال و استقبال پرگنہ ندبئی مضاف مستقر الخلافہ صوبہ اکبرآباد بدانند چوں موضع پہر سر از قدیم الایام موافق اسناد شاہی و بموجب پروانہ مہری نواب جنت آرام گاہ معاف و واگذار است حالا نیم موافق معمول قدیم معاف و واگذار نمودہ شد باید کہ موضع مذکور را حسب الضمن در وجہ مدد معاش سادات موضع مسطور معاف و مسلم داشتہ نوعے مزاحمت و معارضت نرسانند و در امور مرجوعہ مشار الیہم ممد و معاون باشند کہ حاصلات آن را صرف معیشت خود نمودہ بدعائے دولت ابد مدت مشغول و

موظف باشند دریں باب تاکید اکید داشتہ حسب المسطور تعمیل آرند۔

مرقوم تاریخ ہفتم ذی الحجہ ۲۵ سنہ جلوس۔

عبارت پشت فرمان ہذا

بتاریخ

بقلم معظم ہفتم ذی الحجہ

العبد

نقل خط ماجی کشوری جی صاحبہ بنام راؤ رنجیت سنگھ بہادر

مہر

مہر مہارانی کشوری جی بخط ہندی	سری ہردیو جی سہائے ماجی سری کشوری جی	یہ مہر لفافہ پر مربع شکل میں ہے

برخوردار نور چشم اقبال نشان لالہ رنجیت سنگھ بہادر زاد عمرہ

موضع پہر سر در سرکار نیامدہ است ظاہرا بادہا از سرکار گردیدہ مذبور رفتہ اند لہذا

نگارش می رود کہ از موضع مذبور غلش نیاید ساخت۔ میران نیز ازاں سرکار است امان

در نوکری سرکار حاضر نخواہد ماند بنابر اطلاع نوشتہ شد حکم حضور احکام بہ پروانگی

فوجدار شیو سنگھ زیادہ چہ طراز د۔

باب سولھواں

ہیلک

جائے وقوع اور نام

قصبہ ہیلک فی زمانہ تحصیل کُمھیر ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ سے متعلق۔ صدر مقام بھرتپور سے دس میل کے فاصلے پر بجانب غرب اور تحصیل کے صدر مقام سے تقریباً چار میل بجانب جنوب۔ پہاڑی ٹھورس ناتھ سے قریب ایک میل کی دُوری پر مغرب کی طرف۔ اسٹیشن ریلوے چھوٹی لائن۔ بی بی اینڈ سی۔ آئی مشہور آگرہ۔ باندی کوئی سے ملا ہوا واقع ہے۔ پہلے اس کا نام نگر کوٹ پھر آس کنڈ اُس کے بعد ہیرا نگر تھا۔ میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی کے فتح کرنے پر محمد آباد ہوا اور پھر ہیلک مشہور ہوا جو ابھی تک اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے چاروں طرف اہل ہنود، جاٹ۔ گوجر۔ برہمن آباد ہوا اسی کے دیہات ہیں جن کا رقبہ کسی زمانے میں اسی موضع میں شامل تھا۔

کمی رقبہ

عملداری جاٹان میں اس قصبے کو کئی دیہات میں تقسیم کر کے اُن کی علٰحدہ علٰحدہ آبادی اور دیہہ قائم کر دئیے گئے اور یہ ایک چھوٹے موضع کی حیثیت میں رہ گیا۔ بہت سا رقبہ روندھ یعنی جنگلات سرکاری میں لے لیا گیا۔ اگرچہ اب اُن سیاسی

ترکیب اور جاٹوں کے نظریات کو اہمیت نہ دی جائے مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ تغیرات یقیناً اس امر پر مبنی تھے کہ چونکہ یہ قصبہ پچھلے زمانے میں جنگ کا مرکز رہ چکا تھا۔ مسلمانوں کی آبادی۔ معافی اور ملکیت کا گاؤں تھا حکمراں دھمال ریاست کو خیال ہوا کہ کسی وقت پچھلے حقوق اصلیت کی طرف رجوع نہ ہو جائیں اس لئے ابتدائی شکل بگاڑ کر ایک چھوٹا موضع باقی رکھا گیا۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ جب دس بسوہ ملکیت و معافی کا دعویٰ سادات کی جانب سے ہوا تو بجائے پانچ ہزار بیگہ رقبہ و معافی کے صرف قریب ایک ہزار ڈھائی سو بیگہ رقبہ ان کو مل سکا۔

سابقہ رقبہ | مطابق سند نواب امیر الامراء وکیل سلطنت مدار المہام آصف خاں بہادر ۳۲ سنہ ہجری مطابق ۱۹ سنہ عیسوی عہد محمد شاہ غازی اس قصبہ کا کل رقبہ ۱۰ بسوہ (۱۰-۹۹۹۹ بیگہ) تھا منجملہ اس کے مقبوضہ سادات عظام صمہ ۵۰۰۰ (پانچ ہزار بیگہ) بہ تفصیل ذیل درج سند ہے۔

ملک معاف دین استرضائے بادشاہی - انعام مشروط خدمت چودھرات
یک ہزار پانصد بیگہ - دو صد بیگہ ۲۰۰

خالصہ شریفہ
سمہ مسما بیگہ

باقی مقبوضات افغانان۔ قاضی۔ مفتی۔ محتسب۔ قانون گویان۔ لودھا۔ کوردیہہ وغیرہ میں ۱۸ بسوہ (۱۸-۴۹۹۹ بیگہ) تھا۔ حصص دیہہ اس طرح پر تھے :-

سادات عظام	افغانان	قانون گویان	لودھا دکو دیہہ کل ۲۰ بسوہ
خالصہ ۱۰ بسوہ	۴½ بسوہ	۲½ بسوہ	۳ بسوہ

رقبہ و مال گذاری زمانہ حال	بند وبست قانونی ۱۹۰۰ء میں اس موضع کا رقبہ صرف تقریباً دو ہزار پانچ سو بیگہ یا ہنٹری جریب سے ایک ہزار ایکڑ پیمائش ہوا حقوق

معافی و وجوہات بزمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سلب کر لیے گئے جن کا اختیار اور منصب اُس حکمران کو نہ تھا کیونکہ یہ عطیات شاہی تھے جس پر سادات ہمیشہ فریادی رہے۔ عرصہ تقریباً ایک سو سال کا ہوا بزمانہ مہاراجہ جونت سنگھ صاحب برٹش سلطنت کے تحت انتظام ریاست آ گئے پر بامداد سید افتخار علی صاحب میر منشی ایجنسی دس بسوہ کی زمینداری سادات کو واپس ملی جس کا رقبہ تخمیناً ایک ہزار دو سو پچاس بیگہ یا ہنٹری جریب سے پانچ سو ایکڑ ہوتا ہے۔ حقوق معافی و وجوہات وغیرہ کے واپس کرنے کا مجاز چونکہ ایجنٹ گورنر جنرل کو نہ تھا حکمران یعنی مہاراجہ صاحب با اختیار نہ تھے اس لئے اُس وقت وہ واپس نہ ہو سکے بعد میں غدر ۱۸۵۷ء ہوا اور پھر مسلمانوں کو اس قسم کے حقوق واپس ملنے کا موقعہ ہی نہ آیا۔ ایک چک اسی موضع کا جس کا رقبہ تخمیناً پانچ سو بیگہ ہے خان صاحب سید سجاد حسین صاحب سول و سشن جج بھرت پور مرحوم و مغفور کو اُس کے علاوہ بسلسلہ انتظام تردد وغیرہ اور ملا۔

مال گذاری تخمیناً پندرہ سو روپیہ سالانہ سادات آراضی خالصہ کی داخل خزانہ راج کرتے رہے ہیں۔

وسائل آب پاشی | یہ قصبہ دامن کوہ میں واقع ہونے کے سبب اس میں ہمیشہ پانی کی قلت رہتی ہے۔ چند چاہات باشندگان دیہہ کے بنائے ہوئے ہیں جن میں نو چاہات سادات کے تعمیر کرائے ہوئے حسب ذیل ہیں۔

۱ سید غلام علی والا۔ ۲ ڈیٹی والا۔ ۳ املی والا۔ ۴ منشی اعظم علی والا۔ ۵ میر رحمت علی والا۔ ۶ کوشک والا۔ ۷ گولا جج صاحب والا گیاری میں۔ ۸ صندل پیر والا۔ ۹ بولی والا۔

پانی چاہات میں گہرائی پر نکلتا ہے۔ اس لئے آب نوشی و آب پاشی کی بہت کمی رہتی ہے ندی گمبھیر کی ایک شاخ نل تل چاہی "کے ذریعہ علیحدہ نہر سے اس طرف آتی ہے اُس کے اور بارشی پانی کے ذخیرہ کے واسطے ریاست کی طرف سے ایک بند بھی بنایا ہوا عرصہ کا ہے مگر اُس میں پانی خاطر خواہ جمع نہیں رہتا اور پرانا ہونے کے سبب جگہ جگہ سے ٹوٹ بھی گیا ہے۔ غرض کہ وسائل آب پاشی مصنوعی کے فوائد بھی تسلی بخش نہ ہونے کے سبب زیادہ تر رقبہ ریگ زار ہو گیا ہے۔

جانوران صحرائی | رونددہ سرکاری اس قصبہ کے رقبہ سے ملی ہوئی ہے جو بہت بڑے رقبے میں ہے اس لئے صحرائی جانوران نیل گائے۔ ہرن۔ جنگلی سور۔ تیتر وغیرہ اس قسم کے جانور بکثرت ہیں جن کا شکار بھی ہوتا ہے مگر زراعت کا بہت نقصان کرتے ہیں۔ شکار کا خاص مقام ہے مگر سوائے بڑے افسران ریاست کے عوام کے لئے شکار کی ممانعت ہے۔

ہوا اور موسم | دامن کوہ میں اور جنگلات سے ملا ہوا ہونے کے سبب یہاں موسم گرم

رہتا ہے اور ہوا بھی تند چلتی ہے۔ بارش قریب بیس انچ سالانہ ہوتی ہے۔ زراعت کا دارومدار زیادہ تر بارش کے پانی پر ہے۔

پیداوار اجناس غلہ میں، زیادہ تر جوار۔ باجرہ۔ مکئی۔ دالوں میں، ارد۔ مونگ۔ مٹر تیل دار میں تل۔ ان کے علاوہ کپاس کی فصلیں اور کم مقدار میں گیہوں۔ چنا۔ بھجڑ گوچینی۔ تیل دار میں سرسوں۔ دوآں اور سن وغیرہ کی فصلیں ہوتی ہیں۔ تین چیز خودرو جنگلی بہت کثرت سے اور مشہور پیداوار کی ہیں۔ پیلو جو کھنڈیار کے درخت کا پھل ہے اور پکنے پر کھایا جاتا ہے۔ ٹینٹی جو کریل کے درخت کا پھل ہے جس کا اچار ڈالا جاتا ہے۔ اور سوانکھ کے چاول۔ روندھ سرکاری میں یہ گھاس بڑی کثرت سے ہوتی ہے اس کے تخم کو چاول کہا جاتا ہے۔ ان تینوں چیزوں کو اس قصبے کے غربا اور ہزاروں کسان ومزدور پیشہ دیہات گرد ونواح بکثرت کھاتے اور شکم پوری کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لئے یہ تینوں چیزیں طبی اصول سے بہت طاقتور فائدہ بخش اور سیکڑوں مرضوں کو دفع کرنے والی ہیں۔

آبادی آبادی کے قریب بہت بڑا مٹی کا ٹیلہ ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ پہلے آبادی اسی مقام پر تھی مگر حادثات زمانہ سے جب یہ گاؤں ویران ہوا تو از سر نو موجودہ آبادی قریب دو سو سال سے قائم ہوئی ہے۔ فی زمانہ کل آبادی تقریباً تین سو آدمیوں پر مشتمل تھی۔ آبادی میں سوائے چند پختہ مکانات کے باقی خام ہیں۔ بازار بھی معمولی ہے۔ دوکانات وغیرہ شارع عام سے ملی ہوئی ہیں۔ آبادی

ہیں حویلی مشہور رسالدار صاحب والی۔ منشی میر اعظم علی صاحب والی۔ سنگین اور پختہ ہیں ایک مکان پختہ سید سجاد حسین صاحب مرحوم جج صاحب کا تعمیر کرایا ہوا اور سات مکان پختہ دیگر سادات کے اس طرح کل دس مکان سادات کے اور قریب پچاس مکان دیگر مسلمانوں کے تھے۔ باقی دیگر ہندو گوجر راجپوت واچھوت قوم آباد ہیں۔ گوجر و راجپوت دس بسوہ کے زمیندار ہیں جن کو افغانان و دیگر اشخاص سے چھین کر عملداری جاٹان میں دی گئی ہے۔

حقوق زمینداری سادات ہیلک

جون سنہ ۱۹۴۷ء تک صرف دو تھوک فضیل و تھوک ڈوکر کے نام بسوہ داری اور زیر کاشت زمین رہی۔ باقی دو تھوک کے آدمیوں سے کچھ اپنے حقوق کے لئے درخواستیں دیتے رہے جن کو زمینداری یا حقوق اپنے نہیں ملے مگر حقوق بسوہ داری دس بسوہ میں حق ملکیت جملہ سادات اولاد میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی تین چوتھائی و اولاد سید رکن الدین حسن عرف میر تقوی الرضوی ایک چوتھائی بروئے شجرہ نسب حسب حصص جدی کاغذات سرکاری میں قائم ہیں۔ ہدایات و احکام ریاست کے بموجب بخانہ ملکیت و قبضہ و کاشت صرف انہیں خاندانوں کے نام کھیوٹ وغیرہ میں درج رکھے گئے جو گاؤں میں آباد تھے یا جن کو انتظام تردد آراضی و ادائیگی مال گذاری کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔

سادات ہیلک کا خصلتی امتیاز

قدیم باشندگان سادات ہیلک اٹل رائے اور

مستقل خیال رکھنے والے مگر سخت مزاج - خوددار - بات کے دھنی - حاکم وقت کے سچے رفیق اور دوسرے کا سچا ساتھ دینے والے ہوتے تھے اور یہ اثر اُن کے انساب میں بھی پایا جاتا ہے - میراں سید محمد غازی کی نسل میں اب تک یہ امتیاز باقی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا درجہ رکھنے والا آدمی بھی اپنی خودداری اور مزاج کے باعث اچھے پوزیشن میں برتری کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور اسی وجہ سے اس نسل کے سادات رضوی زیادہ تر مولانا صفی مرحوم و مغفور کے اس شعر کے مصداق ملیں گے ؎

غیر فرقوں میں ملیں گے میر - میر کارواں
ہر جسد میں پائیے گا آپ انھیں روحِ رواں

دیگر مقامات	مسجد	امام باڑہ	حویلی پختہ	مکانات پختہ	نوہرہ یعنی چوبال
	۱	۱	۳	۷	۲

قبرستان مختلف مقامات پر اور کچھ پرانی دامن کوہ میں بنی ہوئی ہیں -

زمانہ محرم میں چھ سات مجالس یومیہ ہوتی تھیں جن کو سادات نہایت علو ہمتی اور عقیدت مندی کے ساتھ کرتے تھے - تعزیہ داری ہوتی تھی - علاوہ سادات کے دیگر مسلمان بھی علَم و تعزیہ بناتے اور گشت کرتے تھے -

ڈاک خانہ - پولیس اسٹیشن - اسپتال اس موضع میں نہیں تھے - البتہ مویشی خانہ چوکی گشتم - اسکول درجہ چار تک - چوکی جنگلات من جانب راج قائم تھے -

دیگر اشخاص سے سادات کا سلوک اور برتاؤ

سادات ہیلکی کا سلوک اور برتاؤ اپنے گاؤں والوں یا دیہات ملحقہ کے دیہاتیوں سے نہایت مخلصانہ اور برادرانہ بڑی رواداری کا ہمیشہ رہا جس پر جاٹ۔ گوجر و دیگر اقوام کو ہمیشہ ناز رہا اور اُن کی حمایت کے تحت شعبہ جات ریاست سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔

پیشہ سادات

زیادہ تر سادات ہیلک کی آبادی شاہ گنج آگرہ۔ بھرسر۔ بھرتپور و دیگر مقامات پر منتقل ہو گئی تھی وہاں پہونچ کر بڑے مدارج اور عروج حاصل کئے۔ باشندگان دیہہ سادات کا پیشہ زمینداری و کاشتکاری رہا۔ مستورات پردہ و مذہبی رسوم کی سختی سے پابندی کرتی تھیں اور کل مردمان صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔

یہ کل سادات مذہب امامیہ رکھنے والے ہیں۔

باب سترھواں

موجودہ زوال سادات ہیلک

جون ۱۹۴۷ء میں سادات ہیلک کا زوال اور ہندوؤں کا حملہ

طاقہ میوات کی بربادی کے بعد دیگر مقامات کی تباہی کے لئے بھی راشٹریہ سیوک سنگھ اور جاٹ گوجروں نے

بسازش حکام ریاست دیہات میں مسلمانوں کے خلاف میٹنگ کرنا شروع کیں۔ ہیلک کے باشندے کیلا بخش گوڑ راجپوت نے اشتعال انگیزیاں اور فتنہ پردازیاں شروع کر کے پنچائتیں کرنی شروع کیں جس سے سادات کا جھگڑا چند روز قبل ایک کھیت کے سلسلے میں ہو چکا تھا۔ اور اس کی ابتدا اس طرح پر کی گئی کہ آبنوشی کے چاہات سے جہاں سے ہمیشہ مسلمان پانی بھرا کرتے تھے اور جو سادات کے بزرگان کے تعمیر کردہ اور بعد میں سرکاری روپیہ سے مرمت ہوئے تھے مسلمانوں کے پانی بھرنے پر اعتراض کیا اور اُلٹا سیدھا سمجھا کر گاؤں والوں کو آمادہ فساد کیا۔ نمبرداران ہیلک نے بھرتپور آ کر بابو سید محمود الحسن صاحب ایکس کمانڈنگ ممبر کورون راجپوتانہ سے شکایت کی یہ نمبرداران کو ہمراہ لیکر راؤ صاحب ٹھاکر حکم سنگھ دیوان ریاست کے پاس پہونچے وہیں جگ رام سنگھ انسپکٹر جنرل کو بلایا گیا کافی ردوقدح کے بعد طے پایا کہ بخشی رگھناتھ سنگھ ریونیو کمشنر جن کا تعلق بسلسلہ جاگیر قریب کے گاؤں موضع بابین سے ہے اور بسلسلہ رشتہ داری گوجران ہیلک سے ہے گاؤں میں پہونچ کر تصفیہ کرا آویں۔ چنانچہ وہ موقع پر پہونچے مگر وہ بھی اس سازش میں شریک رہے اس لئے راجپوت اور گوجر شرارت سے باز نہ آئے۔ ۲۵ رجون ۱۹۴۷ء کو ندبئی پر جب حملہ ہوا اور ۲۶ رجون ۱۹۴۷ء کو پھر سے حملہ کی تیاریاں دیکھی گئیں کیلا بخش مذکور ندبئی کے بلوائیوں کو ہیلک آنے کی ترغیب دے آیا اور ہیلک میں آ کر رات کو تمام ہندوؤں کی خفیہ پنچایت کر کے طے کیا کہ کل دن نکلنے پر یہاں کے مسلمانوں پر بھی

حملہ کر دو سادات و دیگر مسلمانان ہیلک کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو تمام اسباب۔ مویشی۔ ہزاروں روپیہ نقد چھوڑ کر رات ہی کو یہ لوگ بھاگے۔ کچھ بھرتپور کچھ آگرہ اور کچھ ادھر اُدھر کے مقامات پر پہونچے جو مسلمان قصبے میں باقی رہے اُن کو صبح ہونے پر لوٹا قتل کیا اور عورتوں کو اغوا کیا۔ اس سانحہ کے بعد ہیلک سادات و دیگر مسلمانوں سے بالکل خالی ہو گیا۔

آراضی زرعی کا انتظام سرکار سے کیا جانا اور لگان کا راج میں جمع ہوتا

آراضی زرعی کا انتظام بذریعہ پٹہ جات ریاست کی طرف سے ہوتا ہے اور کل روپیہ نیلام و پٹہ جات و سالانہ لگان وغیرہ ریاست کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔

ہجرت زمانہ حال سادات ہیلک

تمام سادات ہیلک جو ہیلک۔ بھرتپور یا دیگر جگہ آباد تھے، اہل ہنود اور حکومت بھرتپور کے مظالم اور قتل و غارت سے تنگ آ کر مملکت پاکستان میں ہجرت کر آئے ہیں اور زیادہ تر کراچی۔ مغربی پنجاب۔ سندھ اور پاکستانی بعض ریاستوں میں بڑی مفلوک الحالی اور بے بسی میں کیمپوں اور جھونپڑوں میں دن گذار رہے ہیں۔

باب اٹھارواں

تاریخ قدیم

ابتدائی تاریخ سادات ہیلک

سادات ہیلک (محمد آباد) تھوک فرید فیصل۔ رکن الدین عرف ڈوکر۔ آٹھویں امام حضرت علی الرضا علیہ السلام کے صاحبزادے سید ابراہیم کی نسل سے رضوی ہیں اور تھوک میر نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام کے صاحبزادے موسیٰ مبرقع کی نسل سے تقوی الرضوی ہیں۔ عہد بنی امیہ و بنی عباسیہ میں سادات (ابو ترابی) عام طور پہ نقلِ آبادیات پر مجبور ہوتے رہے اس لئے تواریخ یا روایات سے یہ تو صحیح پتہ نہیں چلتا کہ مورثِ اعلیٰ سادات رضوی کہاں سے اور کب منتقل ہو کر مشہد مقدس میں آئے اور سکونت پذیر ہوئے البتہ بحوالہ ریاض الانساب مصائب الابرار کے صفحہ ۱۲۵ کی درج شدہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخر سنہ ۲۰۲ ہجری میں جب خلیفہ مامون رشید عباسی نے امام حضرت علی الرضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ آپ کے معجزات کو دیکھ کر آپ کی طرف لوگ زیادہ رجوع ہونے لگے تو خلیفہ مذکور کو حسد ہوا اور ساتھ ہی خدشہ پیدا ہوا کہ میری حکومت کو زوال نہ پیدا ہو جائے لہٰذا وہ درپئے قتل امام عالی مقام ہوا۔

حضرت کو بھی یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی ایک خط مدینہ منورہ کو لکھا اور اپنے دوست و اقارب کو بُلایا چنانچہ اولاد ابو تراب سے بارہ ہزار چھ سو تہتر نفر نصرت امام کو جمع ہوئے اور روانگی سے قبل ایک کو اپنے میں سے سردار بنانا چاہا تو روضہ جناب رسول اللہ صلعم پر پہونچے اور ایک ایک نے سلام کیا مگر کسی کو جواب نہ آیا لیکن ابراہیم کہ اُن کی عمر ۹ سال کی تھی اُن کو سلام کا جواب اس طرح آیا عَلَیْکُمُ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ وَیَا قُرَّۃَ عَیْنِیْ۔ فوراً ہر طرف سے سب دوڑ پڑے اور اُن کے ہاتھوں کو چوما اور اُن کی بیعت کر کے اُن کو اپنا سردار مقرر کیا۔

۲۱ محرم الحرام ۲۰۳ ہجری کو یہ سب سادات روانہ ہوئے جب علاقہ شہر یار میں پہونچے تو موضع سارو قمش میں قیام کیا اسی دوران میں امام عالی مقام کی وفات مشہد کے مقام پر ہوئی جو طوس کہلاتا تھا اور ان ابوترابیوں کو حکومت وقت کے حکم سے صوبہ داران نے اُن مقامات پر جہاں تک پہونچے تھے روک لیا۔ غرض چھ ماہ تک اس قافلہ نے یہیں قیام کیا اور اُس کے بعد حکومت کے مظالم کے تحت ابراہیم بن حضرت علی الرضا علیہ السلام کو موضع شہر یار کے قریہ ناصر آباد میں جواب شمست آباد کہلاتا ہے منصور دمشقی نے شہید کیا تین روز تک اُن کو دفن بھی نہ کیا تیسرے دن ایک شخص مسمی الیاس ساکن ناصر آباد نے آپ کو رات کے وقت دفن کیا۔

اس قافلہ سے قبل ۲۰۱ھ میں جناب فاطمہ معصومہ قم دختر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی معہ اپنے ستائیسوں بھتیجوں اور خدام کے اپنے بھائی امام رضا

علیہ السلام سے خراسان ملنے چلیں مگر مقام ساوہ نزد قم پر مخالفین نے حملہ کر کے ہمراہیان معصومہ کو شہید کیا اور پھر معصومہ نے بھی وہیں شہادت پائی۔ بمقام قم آپ کا قبہ موجود ہے۔

غالباً اسی زمانہ میں ابراہیم کی اولاد منتشر ہو کر مشہد مقدس تک پہونچی اور وہاں سکونت اختیار کی۔ اس واقعے کو اس امر سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ آبائی تقدس کے لحاظ پر آٹھویں امام عالی مقام کے مزار مقدس کی مجاورت کا شرف اولاد ابراہیم کو مل کر نسلاً بعد نسل میراں سید محمد غازی تک پہونچا اُن کے ہندوستان آنے پر نہ معلوم کس خاندان کو منتقل ہوا اور اب کس خاندان میں مجاورت کی خدمت ہے۔

روایت متذکرہ بالا کے علاوہ دیگر کتب سے بھی ثابت ہے کہ علاوہ امام محمد تقی علیہ السلام و اُن کی اولاد کے دیگر فرزندان امام حضرت علی الرضا علیہ السلام کی اولاد بھی باقی رہی اور نسل ابراہیم سے میراں سید محمد غازی رضوی ہیں اور اُن کی نسل بھی سب رضوی ہے نہ کہ تقوی الرضوی۔

بعض کتب و تواریخ میں جو یہ درج ہے کہ جناب امام حضرت علی الرضا علیہ السلام کے دیگر فرزندان اُن کی حیات میں شہید ہو گئے اُن کی اولاد بھی باقی نہیں رہی صرف ایک فرزند امام حضرت محمد تقی علیہ السلام باقی رہے اُن کی اولاد ہی جو مشہد مقدس میں آکر آباد ہوئی۔ تقدس و شہرت حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کے لحاظ پر رضوی اور جو مدینہ منورہ میں آباد ہوئی وہ تقوی الرضوی مشہور ہوئی۔

یہ صحیح نہیں ہے۔

شجرۃ النسب امام عالی مقام سے صرف شاخ میراں سید محمد غازی مورث اعلیٰ سادات رضوی ہیلکی تک درج ذیل کیا جاتا ہے۔

آپ کو موضع ہیلک ملک معافی میں ۵۹۲ھ اور ۵۹۳ھ کے درمیان بارگاہ سلطان شہاب الدین غوری سے عطا ہوا۔

سید محمد غازی
سید مصطفیٰ
سید تقی
سید بہار الدین
سید صدر الدین
سید عبد المعالی
سید باقر
سید موسیٰ رضا
سید محمد تقی
سید فضیل
سید واسطی
سید ابراہیم
حضرت امام علی الرضا علیہ السلام

غور | غور افغانستان میں چھوٹا سا پہاڑی علاقہ غزنی سے شمال میں کچھ فاصلے پر واقع ہے جہاں پہلے غوری سرداروں نے فیروزکوہ میں اپنی حکومت قائم کی جب وہ بہرام شاہ کے ہاتھوں مارے گئے تو اُن کے بھائی علاءالدین حسین مشہور جہان سوز نے غیاث الدین بن سام اپنے بھتیجے کو تخت پر بٹھلایا اُس کے بعد ۵۷۰ھ ہجری مطابق ۱۱۷۵ء میں غور اور غزنی دونوں جگہ کی حکومت سلطان معزالدین محمد بن سام عرف شہاب الدین کے قبضے میں آئی اور محمد غوری کے لقب سے بادشاہ مشہور ہوا۔

میراں سید محمد کا فوج غور میں ملازم ہو کر سپہ سالار ہونا | اسی کے عہد حکومت غور میں میراں سید محمد غازی بن سید مصطفےٰ رضوی جو قدیم باشندے مشہد مقدس اور مجاورِ مزار پُرانوار اپنے جد بزرگوار جناب حضرت امام علی الرضا علیہ السلام تھے جن کی نسل میں سادات رضوی ہوئے ہیں۔ کوائف وحادثات زمانہ اور ہنگامی صورت حال سے تنگ آکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس نے بڑی قدرومنزلت کی اور اپنے لشکر غور میں جلیل القدر عہدے پر فائز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد بمدد طالع یہاں تک مدارج عروج پر پہونچے کہ سپہ سالار سپاہ خاص غور ہو گئے۔

غازی کا خطاب پانا | چونکہ متعدد محاربہ جات میں میراں صاحب موصوف سے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے اس لئے غازی کا خطاب بارگاہ سلطانی سے پایا۔

آمدِ بیانہ | سنہ ۵۹۲ ہجری مطابق ۱۱۹۶ء عیسوی میں جب سلطان شہاب الدین غوری

نے بیانہ پر حملہ کیا تو آپ اُس معرکہ میں سلطان کے ہمراہ تھے۔

فتح ہیلک | نگرکوٹ یا آس کند جو بعد میں ہیرا نگر۔ محمد آباد اور پھر ہیلک کے نام سے مشہور ہوا۔ بیانہ سے جانب شمال قریب ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

جب ۴۵۳ھ ہجری مطابق ۱۰۶۳ء میں راجہ تھن پال جادوں راجپوت نے بیانہ فتح کیا اور خواجہ ابوبکر قندھاری کام آئے تو متوسلین راجہ نے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قرب وجوار بیانہ میں قائم کرلیں۔ ہیرا سنگھ جٹ جادوں نے اس قصبے کو جو گذشتہ لڑائیوں میں برباد ہوچکا تھا اور لڑائی کا مرکز بھی رہ چکا تھا دوبارہ آباد کرکے ہیرا نگر نام رکھا اور اس کو اپنا دارالحکومت قرار دے کر اپنے کو راجہ مشہور کیا۔ یہ شخص ظالم اور سخت متعصب و تندخو تھا جس سے کل رعایا اور خصوصاً مسلمان جو اُس زمانہ میں خال خال شمالی ہند سے آکر آباد ہوگئے تھے اور اُن کو جاٹ بنانا چاہتا تھا ناراض تھے اُس وقت جٹ جادوں و جادوں راجپوت اس قصبے میں زیادہ آباد ہوئے۔ قصبہ کی بہت بڑی آبادی تھی مشہور ہے کہ دو سو دوکان تو صرف ٹھیٹرے برتن بنانے والوں کی تھیں

الغرض استغاثہ اہل اسلام پر جو ہیرا سنگھ کے مظالم سے تنگ آگئے تھے میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی تھوڑی فوج لیکر ہیرانگر وارد ہوئے اور بعد تھوڑے کشت وخون کے راجہ ہیرا سنگھ جٹ جادوں کو معہ اُس کے ہمراہیان قتل کیا اور میراں صاحب نے فتح پائی۔ بعد فتح ونصرت بیانہ مراجعت فرمائی

سلطان اس کارگذاری سے بہت خوش ہوا اور اس قصبے کا دروبست بھی بصورت ملک معافی وبسوہ داری وحق چودھرات و اعزازی رسوم وغیرہ میراں صاحب موصوف کو در وجہ مدد معاش ارشاً بارشاً عطا فرمایا اُسی وقت اس کا نام محمد آباد رکھا گیا۔ عوام ہیرا نگر ہی کہتے رہے۔ میراں صاحب نے اپنے میں چوتھائی کا حصہ دار سید رکن الدین حسن عرف میر کو جو تقوی الرضوی تھے بہ سبب رشتہ داری اور کچھ حصہ ملک معافی وبسوہ داری میں اپنے ہمراہیان افغانان غوری کو شریک کرکے قصبہ کا دروبست اور خدمت چودھرات اپنے ذمے لیکر اُس کا انتظام کیا۔ اُن کے بعد اُن کی اولاد کے قبضہ و اقتدار میں رہا مگر میراں صاحب و اُن کی اولاد کی بود و باش بیانہ میں زیر کوہ جانب شمال رہی۔ میراں صاحب کا مزار کوٹ بگھاڑ د بیانہ میں زیارت گاہ عام ہے۔

اعزاز کا عطا ہونا — سنہ ۵۹۳ ہجری میں بصلہ کارکردگی و مردانگی پیش گاہ شاہ جمجاہ شرافت کلاہ سلطان شہاب الدین غوری سے ایک اعزازی فرمان جاری ہوا کہ مثل انساب شاہنشاہی دقت مراسلت و مقدمت و احتیاج میراں محمد غازی مشہدی و انساب میراں موصوف کو حسبِ دستور شاہزادہ لکھا جایا کرے۔

فرامین — اصل دونوں فرامین عطاء جاگیر و اعزازی بعہد سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بموجب احکام گشتی داخل محافظ خانہ شاہی کرائے گئے۔ تجدیدی فرامین ۹ ربیع الاول سنہ ۹۸۳ ہجری نبوی الصلعم سنہ ۲۱ جلوس کو سلطان موصوف کی پیش گاہ

سے جاری ہوئے جو حاجی ابراہیم مورث نے بحقوق فدیمانہ حاصل کئے۔ تجدیدی جاگیری فرمان اصل ونقل مصدقہ اور تجدیدی اعزازی فرمان اصل مقدمہ حصول حقوق وجائداد میں بزمانہ لاکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر شامل رہے۔ نقل تجدیدی فرمان اعزازی آخر میں درج کی گئی۔

وجہ تسمیہ نام ہیلک | جب جٹ جادوں قوم کا اس قصبہ سے استیصال ہوگیا تو کراڑ راجپوت آکر آباد ہو گئے کچھ عرصہ بعد وسط راجپوتانہ سے آئے ہوئے گوڑ راجپوت بھی رہنے لگے چونکہ نسل کراڑ راجپوت پہلے کے آئے ہوئے بطور کاشتکار زمینوں پر قابض تھے گوڑ معمولی رعایا کی صورت میں رہنے لگے ان کو کراڑ نفرت کی نظر سے دیکھنے اور بُرا برتاؤ کرنے لگے اس وجہ سے گوڑوں نے نسل کراڑ کے قتل کا ارادہ کیا کسی بات پر جنگ چھڑ گئی اس دار وگیر میں سو سواروں سے زیادہ گوڑوں کے کام آئے اور کراڑ راجپوت گوڑوں سے بھی زیادہ ہلاک ہوئے حتی کہ اُن کی حاملہ عورتیں تک قتل کی گئیں باقی جو بچے وہ ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ غرض اُس زمانہ سے قبضہ بطور کاشتکار زمینوں پر گوڑوں کا ہوگیا اور اس ہلاکت کے سبب ہی غالباً ہیلک نام سے یہ قصبہ مشہور ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہیرانگر سے ہیرانگ پھر ہیرک اور اس طرح پھر ہیلک مشہور ہوا مگر ہمارے نزدیک ہیلک مشہور ہونے کی متذکرہ بالا وجہ ہی معلوم ہوتی ہے۔

سادات کا ہیلک میں آکر آباد ہونا

۱۷۷۰ء اوائل حکومت معظم عرف شاہ عالم بادشاہ میں اولاد میراں سید محمد غازی معہ اولاد سید رکن الدین حسن عرف میر سادات رضوی و تقوی الرضوی۔ بیانہ سے دست بردار ہو کر ہیلک میں آئے اور بود و باش اختیار کی۔ میراں صاحب مورث سے بانیان دیہہ تک کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

مورثِ اعلیٰ



ان سے تھوک ڈوکر مشہور رہے۔

ان سے تھوک فرید مشہور رہے۔

ان سے تھوک فضیل مشہور رہے۔

بھرتپور سے ہیلک کی علیحدگی

جب دوبارہ عطیہ شاہی میں پرگنہ ہیلک پھر چوڑامن جاٹ کے تحت چلا گیا تو چونکہ سادات و افغانان جاٹوں کی ماتحتی میں رہنا اپنی توہین سمجھتے تھے اس لئے سادات کے غلبے پر دوبارہ پرگنہ ہیلک بعہد محمد شاہ غازی علاقہ

شاہی میں داخل کر لیا گیا اور ذریعہ پروانہ نواب امیر الامرا وکیل السلطنت مدار الممالک مؤتمن الخلافہ آصف جاہ بہادر مرقومہ فی التاریخ بست و چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۳۲ ہجری مطابق سنہ ۱۷۲۰ء حقوق چودھرات و معافی و زمینداری وغیرہ معہ تفصیل آراضی و تقسیم۔ سادات رضوی اولاد میراں سید محمد غازی رضوی مشہدی و سادات تقوی الرضوی اولاد رکن الدین حسن عرف میرو افغانان کو در وجہ معاش بموجب حکم بادشاہی بہ استحقاق شان و دیگر باشندگان بہ نظر قدیم الخدمت بدستور سابق موافق معمول قدیم بحال و واگذاشت فرمایا گیا۔ نقل پروانہ باصلہ مہری نواب صاحب موجود ہے جس کی نقل آخر میں درج کی گئی ہے۔

باب انیسواں

ابتدا از زوال ہیلک

سادات ہیلک سمت ۱۸۱۳ بکرمی مطابق سنہ ۱۷۷۲ء، سنہ ۱۱۸۶ ہجری تک قصبہ ہیلک میں آباد رہ کر حقوق معافی وغیرہ پاتے رہے۔ اسی زمانہ میں رانی کشوری بیوہ راجہ سورج مل ہیلک و ندبئی کے راستے سے نکل کر کسی مقام کو جاتی تھیں حسب دستور نقارہ بجتا ہوا اور نشان آگے چلتا تھا۔ افغانان نے جو ہیلک میں آباد تھے اپنی اور اپنے معاون سادات کی توہین سمجھی کہ اُن کے

جاگیری قصبے میں ہو کر بجتے ہوئے ڈھونسے کے ساتھ جاوے (ڈھونسہ سے مراد قوت کا مظاہرہ) چنانچہ وہ مزاحم ہوئے اور اپنی آبادی میں سے گذرنے سے منع کیا وہ دوسرے راستے سے نکل گئیں۔ یہی صورت آگے چل کر ندی کے راستے پر پیش آئی یہاں بھی مسلمانوں نے بے اعتنائی برتی وہاں بھی راستہ کاٹ کر دوسری جگہ سے نکل کر مقام مقصود تک پہونچیں۔ واپسی پر رانی صاحبہ نے کنور رنجیت سنگھ اپنے بیٹے سے جو اُس وقت منتظم ریاست تھا اس امر کی شکایت کی اُس کو بُرا معلوم ہوا۔ یہ شخص پہلے سے مسلمانوں سے راجہ سورج مل کے دہلی مارے جانے پر بدظن ہو رہا تھا چنانچہ کسی قدر فوج لیکر اول اہیلک پہونچا افغانان کو اس کی فوج کشی کی اطلاع ہو گئی اور تاب مقابلہ نہ رکھتے ہوئے بغرض تحفظ ناموس و جان و مال پہلے سے معہ اہل و عیال دوسری جگہ چلے گئے۔ جو باقی رہے وہ گرفتار ہوئے جو لوگ برسر مقابلہ آئے وہ قتل کئے گئے اور اُن کے اخراج و ضبطی جائداد کے احکام جاری کر دیئے گئے۔ سادات بھی خوف زدہ ہو گئے اور بالآخر ہجرت کر کے کچھ خاندان جن کی بھرتپور میں رشتہ داریاں تھیں وہ وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ کچھ خاندان بھرتپور شہر میں آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ زیادہ تر اکبرآباد عرف آگرہ چلے گئے۔ اس طرح ہیلک مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اُن کی جائدادوں پر قوم گوجر اور گوڑ راجپوت وغیرہ نے قبضہ جما لیا۔

> واپسی دس بسوہ حقیت سادات ہیلک و دوبارہ آبادی

بعہد مہاراجہ بلونت سنگھ صاحب وقت انتظام بندوبست لاکٹ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ ریاست بھرت پور نے سید افتخار علی صاحب میر منشی کی امداد سے باستحقاق سندہائے عطیہ سلطان شہاب الدین غوری و محمد شاہ غازی صرف آراضی خالصہ دس بسوہ کی زمینداری گوجروں سے نکال کر جملہ سادات رضوی ہیلک کے نام واگذاشت فرمائی۔ باقی حقوق کے لئے اب تک سادات فریادی رہے۔ اُس وقت سے پھر سادات کی آبادی ہیلک میں ہوئی مگر بسلسلہ ملازمت و تجارت و تعلیم دوسرے مقامات پر بھی رہے اور کاروبار کرنے لگے۔

باب بیسواں

> سادات ہیلک کا شاہزادہ گنج عرف شاہ گنج کو آباد کرنا

جو سادات ہیلک سنہ ۱۱۰۲ھ میں ہجرت کرکے اکبر آباد عرف آگرہ میں آئے انھوں نے مقام جوگی پورہ عرف بھوگی پورہ متصل اکبر آباد ایک قریہ شاہزادہ گنج کے نام سے آباد کیا جو اب کثرت استعمال سے شاہ گنج ہوگیا ہے۔ اصلاً نام شاہزادہ گنج ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ مورث سادات ہیلک بموجب فرمان شاہی شاہزادہ کے نام سے موسوم کئے گئے پس

سادات ہیلک نے اس قریہ کا نام مشتق بہ شاہزادہ تجویز کر کے رکھا۔

باب اکیسواں

عروج سادات شاہ گنج و بہرسر

شاہ گنج کو بہت بڑے پیمانہ پر اولاً سادات ہیلک نے آباد کیا۔ بسلسلہ رشتہ داری سادات بہرسر و ہیلک مخلوط ہو گئے اور پھر بہرسر سے آ کر زیادہ تر سادات جعفری رضوی نے شاہ گنج میں بود و باش اختیار کی اور دونوں نے مل کر تعلیم و کاروباری عروج میں یہاں تک ترقی کی کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اور خاص طور پر صوبہ جات یو۔پی و سی۔پی اور اودھ و بعض بعض ریاستوں میں ایسا نام پیدا کیا کہ مشہور ہو گئے۔ برٹش انڈیا کی حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ یہاں تک کہ انگلینڈ میں متعدد صاحبان نے مختلف تعلیمی و اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ زمانہ مابعد میں جائے ملازمت یا کاروبار پر ہی اپنی سکونت اختیار کر لی۔ مگر ہر دو جگہ کے سادات نے اپنے اصلی مراکز بہرسر و ہیلک سے سلسلہ منقطع نہیں کیا۔ رسومات محرم و دیگر تقاریب کے موقعوں پر اُن کی آمد و رفت اور بزرگان کی پیدا شدہ جائدادوں کی دیکھ بھال کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔

سادات بھیلک وبہر سرا کا تعلیمی عروج

۲۸ نومبر ۱۹۳۶ء کو جب موجودہ مہاراجہ برجیندر سنگھ والی بھرتپور کی انگلینڈ سے واپسی پر سادات بھرتپور نے ایڈریس پیش کیا تھا اُس میں حسب ذیل ملازمان و اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کی صرف موجودہ تعداد لکھ دی گئی تھی اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ دونوں مقامات کس قدر مردم خیز تھے اور سادات کی کیا عظمت تھی۔

خطاب یافتہ و عہدیداران گزیٹڈ

ایم بی ای	۱
خان بہادر	۵
خان صاحب	۵
سشن جج	۲
کلکٹر	۲
ڈپٹی کلکٹر	۵
دیوان اسٹیٹس	۳
سب اورڈینیٹ جج	۱
منصف	۲
تحصیلدار	۱۰
نائب تحصیلدار	۱۲
ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس	۲
سول سرجن	۱
ہیلتھ افیسر	۱
میڈیکل افیسر	۵
ویٹنری افیسر	۵
پروفیسر	۵
سرکل انسپکٹر پولیس	۶
اوسیر ویٹر انچارج	۱
کنسرویٹر ڈسٹرکٹ	۱
منیجر کورٹ آف وارڈس	۱۰

نان گزیٹڈ افسران و کلرکس وغیرہ پچھتر فی صدی۔

اعلیٰ تعلیمی ڈگری یافتہ

بار ایٹ لا و دیگر ڈگری یافتہ انگلینڈ رٹرن	ایم، اے اور ایم، ایس، سی
۱۲	۱۲

ایل، ایل، بی	بی، اے اور بی، ایس، سی اور بی کومس	بی، ٹی
۲	۴۲	۹

ایم، بی، بی، ایس	ڈی، پی، ایچ	انٹر	گریجویٹ	میٹریکولیٹ
۲	۱	۵۰	۳۰	۸۰

یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو اُس وقت شمار ہیں آکر ایڈریس میں درج کیے گئے۔ یقین ہے کہ بہت سی تعداد عدم وقفیت کے سبب درج ہونے سے رہ گئی ہے۔

آگرہ شاہ گنج کی اجتماعی زندگی و ماحول نے سادات کو تعلیم کے اچھے مدارج پر پہونچا دیا۔ بظاہر بمقابلہ زمانہ گذشتہ۔ موجودہ زمانہ پستی کی طرف مائل نظر آتا تھا کیونکہ بزرگان کے مدارج و عروج تک حال کی تعلیم یافتہ نسلیں نہیں پہونچیں مگر حقیقتاً تعلیم میں روز افزوں ترقی ہی تھی۔ عہدوں کی کمی حکومت کے نظریے کے سبب ہوئی نہ کہ تعلیم کی کمی کے سبب۔ کیونکہ پہلے زمانے میں زیادہ تر عہدے خاندانی اعزاز کے سبب دیے جاتے تھے اور فی زمانہ تعلیمی معیار پر۔

شاہ گنج کے تفصیلی حالات لکھنے سے ہم اس لئے قاصر ہیں کہ ہم کو اُن سے

کی حقہ آگاہی نہیں۔ علاوہ ازیں ہمارا یہ سلسلہ تاریخ شجرہ نسب کا پیش خیمہ ہے۔
شجرہ نسب کی ابتدا مورث اعلیٰ سے ہوتی ہے اس لئے مورث اعلیٰ کے ابتدائی
حالات کا اظہار ضروری سمجھ کر بیانہ۔ بہر سر۔ ہیلک کے ابتدائی حالات درج کر دیے
گئے ہیں۔ مابعد کے بزرگان و موجودہ نسلوں کے تفصیلی حالات کے سلسلے میں بشرطیکہ
مستند واقعات تاریخی شاہ گنج کے ہم کو دستیاب ہوئے تو انشاء اللہ آئندہ درج
کئے جائیں گے۔

باب بائیسواں

نقل فرمان و سند معافی ہیلک

نقل فرمان عطیہ محمد جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی

طغرہ
غازی
محمد اکبر بادشاہ
فرمان جلال الدین

ہو الغنی

غازی ۹۶۹
محمد اکبر بادشاہ
جلال الدین

دریں وقت غریب عالی شان واجب الاذعان شرف صدور یافت

کہ جماعہ فرزندان نامدار و کامگار و والا تبار و وزرائے ذوی الاقتدار و عالی مقدار و حکام کرام و عمال کفالت فرجام متصدیان مہمات سلطانی و متکفلان معاملات سلطانی و تسبیح کنندگان رحمانی و جاگیرداران و وابستگان و کروریان حال و استقبال و دعاگویان سلطنت و متولیان دولت و متوسلان عظمت ابداً و مؤیداً مژدہ باد کہ میر معز الملک چودھری سید محمد غازی مشہدی بن سید مصطفٰے کہ سادات الرضوی

سپه سالار خاص سپاه فیض مآب شاه جمجاه شرافت کلاه سلطان شهاب الدین غوری
بادشاه جنت آرام گاه که از معتمد حضور خیرخواه خاص المنظور هستند- بدین وجه خود بدولت
را نظر بر استحقاق نگارش می رود و بخاطر عاطر می آید که میران محمد غازی مشهدی و انساب
میران موصوف وقت مراسلت و مقدمت و احتیاج مثل انساب شاهنشاهی حسب
دستور شاهزاده بنویسند- مجدداً فرمان واجب الطاعت بخواهش حاجی سید ابراهیم
اسفرائینی بن سید فضیل که سادات الرضوی منسوب از میران صاحب مشهدی
متوطن محمد آباد بموجب فرمان واجب الطاعة سابقة المرقومة السنه ۵۹۳ هجری از پیش گاه
سلطان الموصوف الالقابه تسلیماً و تصریحاً و تحریماً و تادیباً بنویسند که جمیع تابع ایمانی و
دانشمندان کامرانی و قانون گویان و چودهریان و زمینداران و مهروردیان و متاثران
امور و اشغال سرکار مذکور حسب المسطور مطلع باشند تغیر و تبدل به قواعد در عهده شان
نداشته از فرموده نگردند-

۹ ربیع الاول سنه ۹۸۳ هجری نبوی صلعم سنه ۲۱ جلوس ابد مانوس شاه معدلت پناه
غازی المغازی اکبر آباد

بنده اشرف خاں
عبده محمد طاهر بن میر خسرو

ابن میر خسرو
مهر
بنده مخلص محمد طا

عبارت پشت فرمان

باعتبار مقابلہ نقل مطابق اصل ہے۔

ایں فرمان عطیہ شاہ جمجاہ شرافت کلاہ حاجی سید ابراہیم ابن میراں سید محمد سپہ سالار غور مسکونہ محمد آباد فرمان مثبتہ ناصیہ ۹ ربیع الاول ۹۸۳ھ ہجری نبوی صلعم سال جلوس ابد مانوس سنہ ۲۱۔

شیخ حمزہ لکھنوی ۔ شیخ ابوالفتح گجراتی ۔ مصطفےٰ میاں گجراتی ۔ شیخ زین امروہوی
خواجہ عبدالرشید ۔ وجیہہ الدین احمد آبادی ۔ شیخ عبداللہ ۔ سید عبدالرسول
شیخ حسین علی موصلی ۔ شیخ ابوالفضل ۔ ابوالفیض فیضی ۔ مبارک میاں ۔ راجہ بیربر
شیخ عبدالواحد بلگرامی ۔ شیخ عارف حسینی ۔ میر سید علاء الدین ۔ شیخ محمد حسین سکندری
شیخ جلال الدین ۔ شیخ سعد اللہ ۔

النقل مطابق باصلہ۔ پروانہ بمہر نواب امیرالامرا وکیل السلطنت مدار الملک موتمن
الخلافہ آصف جاہ بہادر۔ مرقوم فی التاریخ بست وچہارم شہر ربیع الاول ۱۱۳۲ھ
ہجری نبوی صلعم سنہ ۱۱ جلوس والا۔

جمجاه نمازی
خواجه ....

عاملان حال واستقبال پرگنہ ہیلک سرکار اسلام آباد عرف متھرا مضاف
صوبہ مستقر الخلافہ اکبرآباد بدانند۔
چوں صیغہ چودھرات وقانون گوئی وخدمت قضا وفتوئی واحتساب پرگنہ مذکورو
زمینداری موازی یک ہزار پانصد بیگہ آراضی منجملہ ہفت ہزار ودوصد وپنجاہ بیگہ
زمین کہ تعلق بہ شرفا اہل اسلام دارد۔ در قصبہ مذبور در وجہ مدد معاش بموجب
حکم بادشاہی آں آبائو اجداد ارثاً بارث باسم شرفا آں مکان حسب الضمن مصرحہ
ذیل بحال ومعاف شدہ آمدہ ودر تصرف ومداخلت آنہا بودہ۔ حال ہم نظر بہ قدیم
الخدمت واستحقاق شاں بدستور سابق موافق معمول قدیم بحال وواگذاشت نمود
باید کہ ہر یک مستورا مختار بکار صیغہ جات وخدمات وحصص وسہام زمینداری و
ملکیت خودہا مستقل داشتہ بطور واختیار آنہا واگذارند وبوجہ من الوجوہ مزاحمت و

مُعارضت نرسانند و در ہر امور مرجوعہ مراسم امداد و اعانت ہر گونہ مرعی داشتہ باشد کہ
محاصلات آں را بتصرف معیشت خود ہا پرداختہ سنہ جلوس والا دعا دولت
ابد مدت مؤظف و مشغول باشند۔ دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید انگاشتہ
حسب المسطور عمل آرند۔ تحریر فی التاریخ بست و چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۳۲
ہجری مذکور نبوی صلعم سنہ ۱۱ جلوس والا۔

مفصلہ ذیل

رسوم صیغہ چودھرات کہ باسم سادات عظام است مبلغ دو نیم روپیہ سری صد از زر
تحصیل پرگنہ منجملہ مال و سوائے مال و مبلغ چہار روپیہ فصلین بابت بھینٹ و فصلانہ
و یک صد روپیہ نانکارہ و دو صد بیگہ آراضی انعام مشروط خدمت چودھرات فقط

حصہ پسران سید فرید الدین	حصہ پسران سید فضیل	حصہ پسران
۱	۱	
رکن الدین عرف ڈوکر	حصہ پسران سید میر	
۱	۱	

رسوم خدمت قضا عالیہ کہ باسم قاضی حمید الدین از پسران قاضی محمد امین بلا شرکت
غیرے نہرانہ زمین کردی خانگی و صحرائی فیصدی دو روپیہ بذمہ مرتہن و بر مالا کلام
فی صدی پنج روپیہ بذمہ مشتری بہ نکاح خانہ مبلغ دو نیم روپیہ بذمہ ختن .... نصفے

مطابق شرع شریف و بر قبالہ ہا صحیح مشروط بہر بیہودہ باشند۔

رسوم صیغہ قانون گوئی کہ باسم بانیا ہائے قصبہ مسطور است مبلغ دو روپیہ سری صداز زر تحصیل پرگنہ منجملہ مال وسوائے مال و مبلغ دو روپیہ فصلین بابت بھینٹ و فصلانہ و پنجاہ روپیہ نانکار و پنجاہ بیگہ آراضی انعام مشروط خدمت قانون گوئی فقط

حصہ بانیا ہا اکروارہ	حصہ بانیا ہا کھنڈیل وارہ
۲	۲

رسوم خدمت فتویٰ باسم شیخ بہاءالدین از پسران شیخ نکاست مہرانہ کروی خانگی و صحرائی فی صدی یک روپیہ بذمہ مرتہن و بر مالا کلام فیصدی دو نیم روپیہ بذمہ مشتری در مقدمہ انفصال منجملہ خصومات فتویٰ مطابق شرع شریف می دادہ شد۔

رسوم خدمت احتساب کہ باسم شیخ اکمل از پسران شیخ حاجی است بابت صحت .... وزن کہ بعد از سہ سال نو تواں کردنی دوکان یک روپیہ چہار آنہ و بابت خرید اجناس .... فی روپیہ پاؤ آنہ بذمہ مشتری و تقصیرانہ کمی آلات وزن و کارہا بدعت بہ انداز قدیم۔

رسوم و حصص و سہام مقدمی و زمینداری پنج روپیہ سری صداز زر تحصیل قصبہ مسطور و بست و پنج روپیہ نانکار ـ حصص سہام مقدمی زمینداری موافق رسد آراضی

ساوات محظام	افغانان	قانون گویان	لودھا دکورد یہ
خالصہ ۱۰ بسوہ	خالصہ ۴ بسوہ	۲ بسوہ	۳ بسوہ

تفصیل آراضی و تقسیم آں

لعہ لعما لعہ لعگہ ہزار
۱۸ بسوہ

ملک معاف دین امتر فدائے بادشاہی انعام مشروط خدمت چودھرات و قانون گوی

یک ہزار پانصد بیگہ ۔۔۔ ما ۱۵ گہ

خالصہ شریفہ معہ منہائی و ویرانہ وغیرہ

ما لعہ للعہ گہ ہزار
۱۸ بسوہ

مقبوضات سادات عظام ۔۔۔ مقبوضہ افغانان

صم ۵۰۰۰ بیگہ ہزار ۔۔۔ الف صما بگہ

ملک معاف ۔ انعام مشروط چودھرات ۔۔۔ ملک معاف

یک ہزار بیگہ ۔ ما بیگہ ۔۔۔ پانصد بیگہ

خالصہ شریفہ ۔۔۔ خالصہ شریفہ

سما ۵ گہ ہزار ۔۔۔ یک ہزار چہار صد بیگہ

مقبوضہ قاضی ۔۔۔ مقبوضہ مفتی و محتسب

ما ۵ عہ گہ ۔۔۔ ما ۵ عہ گہ

ملک معاف ۔ خالصہ شریفہ ۔ ملک معاف ۔ خالصہ شریفہ

یکصد بیگہ ۔ ما ۵ عہ ۔ یکصد پچاس بیگہ ۔ ما ۵ عہ گہ

مقبوضہ قانون گویاں

الـ ۱۱۱ ـہ گہ

خالصہ شریفہ	انعام مشروط خدمت قانون گوئی
الـ ۱۱۱ بگہ	ـہ گہ

مقبوضہ لودھا و کوردیہہ خالصہ شریفہ

۸ البوہ - ۱۴۹۹

الـ ۱۱۱۱ لعہ گہ
۸ البوہ

	مقبوضہ کوردیہا	مقبوضہ لودھا
ختم	لعاعہ ـہ گہ	ماعـ ـہ گہ
	۹ بسوہ	۹ بسوہ

مہر
آصف خاں بہادر

بمطالعہ مہربان دوستان راہدار خاں ٹھاکر بدن سنگھ

باب تیئسواں ۲۳

رارہ

جائے وقوع موضع رارہ فی زمانہ تحصیل کمھیر ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ سے متعلق صدر مقام بھرتپور سے گیارہ ۱۱ میل کے فاصلے پر بجانب شمال سڑک متھرا پر واقع ہے۔ چھوٹا سا اسٹیشن ریلوے بڑی لائن بی۔بی اینڈ سی۔آئی پر رانی کنڈ اس موضع کے قریب ہی ہے جہاں بہت تھوڑی دیر گاڑی ٹھیرتی ہے۔

نام اصلی نام راہ رو جو فارسی کا لفظ ہے معلوم ہوتا ہے اور اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب خاندان سادات موضع چھیاری سے نقل وطن کر کے متھرا کی طرف کسی مقام پر بسواری بیل گاڑی جا رہا تھا تو گاڑی ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے یہ خاندان سفر سے معذور رہا اور پھر اسی موضع میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور بادشاہ وقت سے اپنے جاگیر و سرداری وغیرہ کے حقوق جو چھیاری میں پاتے تھے اس جگہ منتقل کرائے۔ اس طرح اس موضع کا نام راہ رہ رکھا گیا یعنی راہ میں رہ پڑے۔ پہلے رانی کنڈ یا اور کچھ نام تھا مگر یہ زبانی اور قیاسی بات ہے کسی تحریر، یادگار یا تاریخ وغیرہ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

زمینداری | سادات تقوی الرضوی مذہب امامیہ کی جاگیر ہو دکھوٹیلا جاٹ کی زمینداری میں کبھی یہ سالم موضع بتلایا جاتا ہے فی زمانہ سادات صرف آراضی خالصہ کے زمیندار تھے جن کی صحیح تعداد ہم کو معلوم نہ ہو سکی۔ اُس آراضی کی مال گذاری سرکار میں ادا کی جاتی ہے۔ اور دھاؤ آں قوم گوجر کی جاگیر بھی اس موضع میں ہے جو غالباً سادات سے لیکر گوجروں کو دی گئی ہے۔

چاہات و باغات | سادات کی ملکیت کے بارہ[۱۲] پختہ اور دس[۱۰] خام چاہات۔ ایک پوکر اس موضع میں ہے۔ نام چاہات معلوم نہ ہو سکے۔ کئی باغ ہیں جن کے امرود بہت مشہور رہیں۔

آبادی | آبادی میں بالائے کوٹ پانچ چھ مکانات پختہ و خام۔ ایک مسجد۔ ایک امام باڑہ، سادات کی ملکیت کے تھے۔ قریب پانچ خاندان مستقل طور پر فی زمانہ آباد تھے۔ عشرہ محرم میں دو مجالس یومیہ مردانی ہوتی تھیں جن کو سادات بڑی علو ہمتی اور عمدگی سے کرتے تھے۔ محرم میں علم گشت کناں اُول علاقہ متھرا میں اس جگہ سے آتے جاتے تھے۔ اندرون حصار ایک مزار موسومہ دادا حسین بزرگ تھا ان کی بابت روایت تھی کہ احاطہ آبادی میں بھنگ یا چرس کا کوئی شخص استعمال کرتا تھا تو اُس کو نقصان پہونچتا تھا۔ جیسا کہ اکثر باشندگان دیہہ کے تجربہ میں آچکا تھا۔ علاوہ سادات کے شیخ قریشی بھی اس موضع میں آباد تھے زیادہ تر آبادی جاٹ[۱] کھوٹیلا قوم کی ہے غالباً یہ اُنھیں جاٹوں کی نسلیں ہیں جن کو سلطان محمود غزنوی نے

ملتان کے مقام سے بھگایا تھا اور جو نواح متھرا میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ایک جوبہ خاندان بھی اس موضع میں رہتا ہے اُس کے ایک فرد نے اس درجہ شہرت حاصل کی کہ ہندوستان کے ہر گوشے کا آدمی اُس سے گذرے ہوئے واقعہ یا آئندہ ہونے والے حالات کا مستفسر ہونے آتا ہے اور وہ سب کو حالات بتلاتا ہے۔

دیگر مقامات | پہلے یہ بہت بڑا قصبہ بتلایا جاتا ہے مگر فی زمانہ ایک موضع کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ڈاک خانہ۔ مویشی خانہ۔ اسپتال۔ اسکول وغیرہ اس موضع میں کچھ نہیں ہے البتہ بھرتپور اور متھرا کا سرحدی موضع ہونے کے سبب چوکی پولیس اور چوکی کسٹم لب سڑک اس موضع کی آبادی کے قریب قائم ہیں۔

پیداوار | جو اجناس موضع ہیلک کے حالات میں درج ہوئی ہیں زیادہ تر وہی اس موضع میں پیدا ہوتی ہیں۔

دیگر اشخاص سے سادات کا سلوک و برتاؤ | سادات رارہ کا سلوک اور برتاؤ اپنے گاؤں والوں یا دیہات ملحقہ کے لوگوں سے نہایت بھائی بندی اور رواداری کا ہمیشہ رہا۔

پیشہ سادات | سادات باشندگان دیہہ کا پیشہ کاشت کاری۔ زمینداری تھا۔ صوم وصلوٰۃ کے معمولاً پابند تھے۔ مستورات پردہ کی پابندی کرتی تھیں۔ ان کی رشتہ داری موضع اُول میں بھی تھی جو اس موضع کے قریب ایک دو میل پر ہی تھا جہاں سادات اچھی تعداد میں رہتے تھے۔ زیادہ تر سادات بھرتپور۔ آگرہ۔ شاہ گنج و دیگر مقامات پر بسلسلہ تعلیم و ملازمت سکونت پذیر تھے۔

زوال سادات رارہ

بھرتپور اسٹیٹ کے اندر جون و ستمبر ۱۹۴۷ء میں جو مسلمانوں کا قتل و غارت اہل ہنود نے جاٹ حکومت کی سازش سے کیا تو مسلمانان رارہ اور اُنھیں کے ساتھ سادات پر بھی حملہ ہوا مگر پولیس کی امداد سے جو سید اصغر حسین صاحب نمبردار کے میل جول سے پولیس نے دی سادات کا جانی نقصان تو کچھ نہیں ہوا نہ اغوا وغیرہ کی واردات ہوئی۔ مگر ہزاروں روپیہ کی مویشی و سامان چھوڑ کر سادات نے موضع رارہ کو خالی کر دیا۔ اب مکانات و جائداد زرعی و سکنی پر اہل ہنود باشندگان دیہہ اور حکومت بھرتپور کا قبضہ ہے۔ زیادہ تر سادات ہجرت کر کے مملکت پاکستان میں آچکے ہیں اور کیمپوں و گولی مار کوارٹرس و جھونپڑیوں میں گذر اوقات کر رہے ہیں۔ جو سادات رارہ بھرتپور میں یا دوسری جگہ رہتے تھے وہ بھی لاکھوں روپیہ کی جائداد چھوڑ کر مملکت پاکستان میں ہجرت کر آئے ہیں۔

باب چوبیسواں

تاریخ قدیم

سادات رارہ کے تاریخی واقعات بالکل تاریکی میں ہیں۔ صحیح طور سے کچھ حال معلوم نہیں ہوتا کہ کون بزرگ کب اور کہاں سے وارد ہندوستان ہوئے۔ البتہ جو کچھ تحقیق سے ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ یہ سادات نقوی الرضوی مشہد مقدس کے رہنے والے ہیں یعنی نسل میں تم نویں امام حضرت محمد تقی علیہ السلام ہیں مگر مشہد مقدس میں چونکہ حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کا تقدس اور عظمت عام تھی اور اُن کی اولاد یا اُن کی اولاد کی اولاد سب رضوی مشہور تھے اس لئے ان کے بزرگ بھی رضوی مشہور ہوئے۔

بزمانہ سلطان شہاب الدین محمد غوری عساکر سلطانی میں محمد یحییٰ مورثِ اعلیٰ سادات رارہ و رکن الدین حسن عرف میر مورثِ اعلیٰ تھوک میر سادات ہیاک جو ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہد مقدس سے آکر ملازم ہو گئے اور جب فتح بیانہ کو سلطان معہ فوج وارد ہندوستان ہوا تو یہ دونوں بزرگ بھی

اُس فوج میں شامل تھے۔ بعد فتح بیانہ رکن الدین حسن عرف میر نے تو ایک چوتھائی
شرکت ملک و معافی میراں سید محمد غازی مورث اعلیٰ ہیلک میں بوجہ رشتہ داری
کر لی اور ہیلک میں جاگیر پائی۔ سید محمد یحییٰ مورث اعلیٰ رارہ کو موضع چرپاری متصل
فتح پور سیکری من توابعات آگرہ ملا اور وہ مع اپنی اولاد اُس میں آباد ہوئے۔
یہ پتہ نہیں چلتا کہ بیانہ کب تک رہے اور موضع چرپاری میں آبادی کب منتقل کی۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُن کو دو تین مواضعات مدد معاش کے لیے معافی میں
ملے تھے۔

روایت ہے کہ جہانگیر کے ابتدائے عہد میں درگاہ و محلات فتح پور سیکری
کی نئی تعمیر سے مکانات سادات کی بے پردگی ہونے لگی تو سادات نے اس امر
کی شکایت بادشاہ وقت سے کی چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہاں سے نقل
سکونت کر کے جہاں چاہو آبادی کر لو اُسی مقام کو تمہاری جاگیر میں منتقل
کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جب نقل سکونت کر کے سادات رارہ کسی دوسرے
مقام پر جا رہے تو رارہ پر گاڑی ٹوٹ گئی اور اس کو نیک فال سمجھ کر سادات نے
اسی بستی میں آبادی قائم کی اور یہ اُن کو معافی و جاگیر میں ملا جو عرصہ تک رہا بعدہ عملداری
جاٹان میں سادات کی کمزوری کے ساتھ دیگر اقوام اور ریاست کی دست اندازی
سے جاگیر ضبط ہو کر زمینداری کا بھی زیادہ حصہ نکل کر برائے نام زمینداری
سادات میں رہا۔

روایت ہے کہ سید محمد یحییٰ کے پوتے سید شاہ بڑے مہاراجہ صاحب مرسان کے مصاحب تھے جن کی قبر مرسان میں ہے اور اُن کے بھائی سید محمد شاہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ تھوڑے دن کے لئے سرت گڈھی متصل مرسان کے راجہ بھی ہوگئے تھے جس سے انتی گاؤں متعلق تھے۔ سید محمد شاہ کی پانچویں پشت میں سید امام علی تھے اُن کی بابت مشہور ہے کہ معہ سواران سادات رضوی جعفری زیدی راجہ صاحب ہاتھرس کے یہاں جلیل القدر عہدہ پر ممتاز تھے۔ اُن کے صاحبزادے سید صفدر علی ریاست بھرتپور میں تحصیل کمھیر کے گڈھ کپتان تھے جو اس وقت بڑا اور ذمہ دری کا عہدہ تھا۔ وہ غدر ۱۸۵۷ء میں ختم ہوا اور سید صاحب موصوف کو حق سرداری مقرر ہو کر گاؤں رارہ میں ملتا رہا۔

بعہد جناب مہاراجہ جسونت سنگھ صاحب ۱۲۹۷ھ ہجری مطابق ۱۸۸۰ء تک میر ضامن علی بن سید صفدر علی حق سرداری گاؤں سے سالانہ وصول کرتے رہے مگر جب بٹوارہ ہوا تو باشندگان دیہہ نے وہ بند کردیا۔ سید ضامن علی کے صاحبزادے سید آل حسن صاحب وکیل بھرتپور نے گیا ہوا خاندانی اقتدار حاصل کرکے قابل قدر شہرت حاصل کی اور لاکھوں روپے کی جائداد بھرتپور۔ بیانہ و رارہ میں چھوڑی چنانچہ اُن کے صاحبزادے سید محمود الحسن صاحب رضوی ایکس کمانڈنگ لیبر کورون راجپوتانہ بھرتپور معہ اپنے خاندان کے مملکت پاکستان میں لاکھوں روپے کی جائداد اور سامان چھوڑ کر ہجرت کر آئے ہیں۔ جنھوں نے

پیر الٰہی بخش کالونی ع۲ تعمیر کرا کے کافی شہرت حاصل کی ہے۔

سید محمد یحییٰ مورث اعلیٰ کے زمانے سے سید امام علی کے زمانے تک اس خاندان میں دولت و علم رہا بعد میں دونوں کو زوال ہوا۔
کہا جاتا ہے کہ کتب قدیم و شجرۃ النسب و ذاتی حالات و فرامین و اسناد شاہی بزرگان سادات رارہ کے پاس تھے مگر بعد کی نسلیں اُن کی قدر اور حفاظت نہ کر سکیں اور وہ ضائع ہو گئے۔ دیگر صاحبان کے حالات کا ہم کو علم نہیں نہ کہیں سے دستیاب ہو سکے اگر آئندہ دستیاب ہوں گے تو انشاء تذکرہ مشاہیر سادات کے سلسلے میں اُن کو درج کیا جائے گا جب کہ تفصیلاً بزرگان سے اب تک کے مشاہیر کا ذکر ہو گا۔

ہم نے جو کچھ بھی تحقیق تذکرہ سلف سے کیا ہے بہت غنیمت ہے تا کہ آئندہ کے لیے یادگار رہے۔

باب ۲۵ پچیسواں

موضع سید پورہ

جائے وقوع | موضع سید پورہ تحصیل روپ باس ریاست بھرتپور شرقی راجپوتانہ سے متعلق ہے جو صدر مقام بھرتپور سے دس ۱۰ میل کی دوری پر جانب جنوب واقع ہے اور ندی بانا کے کنارے پر آباد ہے۔ فی زمانہ دس پندرہ مکانات سادات کے اس بستی میں تھے جن کا مذہب امامیہ تھا۔ عشرہ محرم میں پانچ سات مجالس یومیہ ہوتی تھیں جن کو سادات بڑی نیک نیتی اور خلوص سے انجام دیتے تھے۔ یہاں کی کوئی چیز مشہور نہیں ہے البتہ موسم گرما کی رات اس موضع کی قابل دید ہوتی تھی۔

مردم شماری | قریب چالیس آدمیوں کی مستقل سکونت گاؤں میں تھی۔ یہاں کوئی ریلوے اسٹیشن نہیں ہے نہ کوئی ڈاکخانہ یا مویشی خانہ یا پولیس اسٹیشن ہے۔ پرانے زمانے کی ایک سرائے مشہور ہے۔ قصبہ میں ایک یا دو مساجد اور ایک امام باڑہ بھی تھا۔ علاوہ آبادی سادات کے زیادہ تر دیگر اقوام آباد تھیں۔ موجودہ زمانہ کے حالات و تفصیلی تعداد و شمار املاک ہم کو دستیاب نہ ہونے کے سبب درج نہ ہو سکے۔

زوال سادات سیدپورہ

زوال و بربادی حال سادات سیدپورہ

ریاست بھرتپور کے دیگر علاقہ جات میں جب ایک منظم سازش کے تحت اہل ہنود نے سوائے راجپوت ٹھاکران بمدد حکمران حُکام ریاست مسلمانوں کا قتل و غارت کرنا شروع کیا تو سادات سیدپورہ بھی اپنی ہزاروں روپیہ کی املاک چھوڑ کر آگرہ و دیگر مقامات کے لئے ہجرت کر آئے سید شبیّر رضا مرحوم و مغفور معہ اہل و عیال شہر بھرتپور میں اپنے بھائی سید حیدر رضا صاحب مرحوم و مغفور کے پاس آ گئے وہاں سے بھی جب ہجرت کرنی پڑی تو راستے میں اُن کو شہید کر دیا جس کا مفصل حال پہلے درج ہو چکا ہے۔ زیادہ تر سادات سیدپورہ نے آگرہ شاہ گنج میں جا کر پناہ لی وہاں سے مملکت پاکستان میں پناہ گزیں ہوئے اور مختلف مقامات پر مفلوک الحالی میں زیادہ تر اشخاص گذر بسر کر رہے ہیں۔

باب ۲۶ چھبیسواں

تاریخ قدیم

اس قصبہ میں سادات زیدی جعفری۔گردیزی کی آبادی قریب چار سو سال سے تھی۔چوتھے امام حضرت زین العابدین علیہ السلام کی اولاد میں سید ابو حلیم سادات زیدی اور چھٹے امام حضرت جعفر صادق کی اولاد میں سید جمال الدین و سید منگلا کی اولاد میں سادات جعفری گردیزی تھے۔

کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ بزرگ کب اور کہاں سے مشہد مقدس یا خراسان اور گردیز وغیرہ پہونچے اور پھر وہاں آباد ہوئے البتہ دورِ انقلابی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ بزمانہ خلیفہ ہارون رشید جب سادات کو مدینہ منورہ میں زیادہ ستایا گیا تو سادات نے بھی اُس کے خلاف علم دفاع بلند کیا اُن میں زید شہید کی اولاد اور محمد مامون بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی شریک تھے بالآخر اُس زمانہ پر آشوب میں غدر سے تنگ آکر سادات نے حدود حجاز و عراق سے ہجرت کر کے حدود ایران کو اپنا مامن و مسکن ٹھیرایا غالباً اُسی سلسلے میں یہ سادات بھی ان مقامات پر آکر سکونت پذیر ہوئے۔

کامل التواریخ ابن اثیر جزری صفحہ ۱۳۲ پر اور لب التاریخ قاضی یحیٰی قزوینی صفحہ ۹۵ پر لکھتے ہیں کہ ہمایوں جب ہندوستان سے بھاگ کر ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی کے پاس چلا گیا تو وہیں سے خراسان اور مشہد مقدس زیارت عتبات عالیہ کو پہونچا وہاں بھی اُسے درستی اور فراہمی لشکر کا خیال دامن گیر رہا۔ شجاعان عرب و نیز دیگر مقامات کی جوانمردی و علو ہمتی و بہادری ہمایوں کو اس درجہ پسند آئی کہ وہاں ایک لشکر تیار کرنے میں مصروف ہوا۔ چنانچہ ۱۵۴۴ء میں چودہ ہزار ایرانی سپاہیوں کا ایک رسالہ ہاشمی کے نام سے مرتب کیا جس میں تمام جوانان خراسان و مشہد مقدس کے رہنے والے ملازم کئے اور اس رسالہ کے سپہ سالار سید ابو حلیم زیدی مقرر کئے گئے جو وہاں کسی مزار پر انوار کے مجاور اور بہادر و شجاع تھے۔

۹۶۲ھ ہجری مطابق ۱۵۵۵ء میں جب ہمایوں بامداد رسالہ ہاشمی خاطر خواہ نفع اُٹھاتا اور اقسام اقسام کی فتح یابی پاتا ہوا آگرہ میں آیا تو اس رسالہ کے کل جوانان کی جو از نسل سادات تھے موقع بموقع مصلحت وقت سمجھتے ہوئے بڑی قدر کرنے لگا اور ہر جوان مرد کو عہدہ و منصب جدا جدا اعطا کئے۔ مختلف فوجوں کا ہر ایک شخص کو سپہ سالار بنا دیا جس کی وجہ سے لشکر سادات منتشر ہو گیا اور سادات ہاشمی سلطنت ہمایوں میں پھیل کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے یہی زمانہ غالباً سادات نقوی کے بزرگان کے ہندوستان میں آنے کا ہے۔ گمان غالب ہے کہ اُن کے بزرگان بھی اس لشکر ہاشمی میں شامل ہو کر ہمایوں کے ساتھ آئے ہوں۔ مشرقی پنجاب اُس کی

ریاستوں یو۔پی۔ بہار۔ بنگال میں سادات کی بستیاں و منصب اور جاگیریں بھی زیادہ تر اسی زمانہ کی عطیہ اور قائم شدہ معلوم ہوتی ہیں۔

الغرض سید ابو حلیم زیدی سپہ سالار مورث اعلیٰ سادات زیدی سید پوری کو ایک لشکر گراں عنایت کر کے ہیمو بقال کو ہزیمت پہونچانے کی غرض سے جو سوری خاندان کا حامی اور ہمایوں کا مخالف تھا آگرہ و اجمیر کے راستے پر قصبہ اُجین کے مقام پر جو اب ریاست بھرتپور میں شامل ہے متعین کر دیا۔ سید ابو حلیم نے اس مقام پر پڑاؤ کیا ایک عرصے تک اسی مقام پر ندی کے کنارے پڑے رہے چونکہ ہیمو بقال سے دغدغہ رہتا تھا اور یہی راستہ اُس کی آمد و رفت کا تھا اس لئے بعد میں سید صاحب نے حسب ایمار ہمایوں اسی مقام پر مستقل بود و باش اختیار کر لی۔ اس مقام پر اب تک چاہات ملاں والا۔ مولوی والا۔ میاں والا اُس وقت کی یادگار موجود ہیں۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سید ابو حلیم نے یہاں کوئی شادی کی ہو یہ ممکن ہے کہ اپنا قبیلہ خراسان سے بُلا لیا ہو۔ عہد ہمایوں میں جب تمام فتنہ و فساد رفع ہو گئے تو منجانب ہمایوں بادشاہ یہ ہی مقام اُن جناب کو معافی میں عطا ہوا۔ بعد چندے سید ابو حلیم درد گردہ میں مبتلا ہو کر راہی ملک جاوداں ہوئے۔ قبر آپ کی قصبہ اُجین میں عقب گڈھی موجود ہے۔

بعہد محمد جلال الدین اکبر بادشاہ بجائے قصبہ اُچین ایک دیہہ جہاں اب سید پورہ آباد ہے معافی میں اور ملا اور اُس کے بعد اُچین سے آبادی منتقل کر کے سادات سید پورہ میں آ کر آباد ہوئے اور سید پورہ نام رکھا اس معافی کا فرمان بھی سید ابو حلیم کے نام جاری ہوا۔ بعد وفات سید ابو حلیم اُن کی اولاد میں سخت نزاع واقع ہوا اکثر اُن کی اولاد ان جھگڑوں سے تنگ آ کر موضع سید پورہ سے سکونت ترک کر کے مختلف مقامات پر چلی گئی۔ مسمی تجھو و حمزہ پسران ابو حلیم الہ آباد کی جانب روانہ ہوئے سُنا جاتا ہے کہ ان دونوں کی اولاد موضع سیدن پور کردہ مانک پور ضلع الہ آباد میں فی زمانہ آباد تھی۔ واللہ اعلم

جاگیر و معافیات بزمانہ عملداری جاٹان ضبط ہو کر زمینداری تین تھوک نسلٹولہ۔ لال۔ دان میں منقسم ہو گئی جو سنہ ۱۹۴۷ء زمانہ ہجرت تک انہیں خاندانوں کے نام اور قبضے میں تھی۔ تعداد و شمار معلوم نہ ہونے کے سبب درج کرنے سے مجبوری ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ نواب مرزا نجف خاں مدار المہام شاہ عالم بادشاہ غازی نے قصبہ بہر سر سے واپسی کے وقت انساب سید ابو حلیم سے اپنے ایک فوجی سردار کو بعد ضبطی دیگر علاقہ جات نزدیکی ایک قصبہ کی بنیاد ڈلوا کر معافی میں عطا کیا اور اُس کا نام سید پورہ رکھا۔

زمانہ عملداری جاٹان میں معافی و جاگیر ضبط ہو کر صرف بسوہ داری سادات کے

نام رہ گئی۔ اولاد سید جمال الدین و سید منگلا سادات جعفری کی معافی و جاگیر میں آغاپور عرف اگھاپور جو سید پورہ سے سات میل اور بھرتپور سے تین ۳ میل کی دوری پر ہے جس میں اب گوجر قوم آباد ہے اور انھیں کی بسوہ داری ہے بزمانہ ہمایوں ملا۔ جو بعد میں ضبط ہو گیا اور پھر یہ سادات سید پورہ میں آبادی منتقل کر کے آباد ہوئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سادات جعفری کے مورثِ اعلیٰ مسمّی گدائی اُسی زمانہ میں مقام گردیز سے آ کر سید پورہ میں آباد ہوئے۔ غرض کہ باہم سادات سید پورہ اور آغاپور عرف اگھاپور رشتہ داریاں قائم ہونے کے سبب حسب مہام شرعی سادات سید پورہ نے سادات آغاپور عرف اگھاپور کو بھی اپنے میں حصہ فرار بسوہ داری کے اندر بنا لیا۔ سادات جعفری کا مذہب امامیہ ہے۔ فرمان یا سندات کسی قسم کے دستیاب نہ ہو سکے اس لئے اُن کے تذکرہ یا نقول درج نہیں کئے جا سکے۔

فی زمانہ بھی تغیرات زمانہ کے ساتھ بغرض تعلیم و ملازمت اکثر یہاں کے سادات بھرتپور۔ آگرہ۔ ریاست دھولپور۔ الہ آباد وغیرہ کی طرف چلے گئے تھے۔ بعض بعض مقتدر ہستیوں نے کافی عروج پایا جن کا ذکر انشاء اللہ تذکرہ مشاہیر سادات میں کرنے کا قصد ہے۔

باب ستائیسواں

موضع محل

ہم نے انتہائی کوشش اس موضع کے سادات کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کی کی۔ اکثر صاحبان سے تاریخی حالات یا شجرۃ النسب عنایت کرنے کو کہا مگر کسی طور دستیاب نہیں ہو سکے بلکہ یہ ہی معلوم ہوا کہ سادات محل کے پاس قدیمی حالات یا کوئی یادگار ایسی نہیں ہے جس سے پرانے واقعات کو منضبط کیا جا سکے۔ اسی طرح زمانہ حال کے حالات اور اعداد و شمار املاک بھی معلوم نہ ہو سکے جس کے سبب تفصیلی حالات درج کرنے سے مجبوری ہے۔ جہاں تک ہم کو علم ہے یا زبانی واقعات بیان کیے جاتے ہیں درج ذیل ہیں۔

یہ موضع محل تحصیل روپ باس ریاست بھرتپور سے متعلق۔ سید پورہ کے قریب بانا ندی کے کنارے واقع ہے۔ سادات نقوی وجعفری مذہب امامیہ اس میں آباد تھے۔ فی زمانہ بہت تھوڑے خاندان سکونت پذیر تھے زیادہ تر دیگر اقوام آباد تھیں۔ ایک یا دو مسجد اور ایک امام باڑہ بھی تھا جس میں عشرہ محرم میں مجالس ہوتی تھیں۔ جب ریاست بھرتپور میں مسلمانوں کا قتل و غارت ہوا تو

اس موضع کے سادات بھی ہجرت کر کے اور ہزاروں روپیہ کا سامان و مویشی و دیگر املاک چھوڑ کر مملکت پاکستان میں آگئے اور کیمپوں ڈپیوٹوں میں کراچی یا دیہات سندھ و مغربی پنجاب میں مفلوک الحالی میں گذر بسر کر رہے ہیں۔

تاریخ قدیم

سنہ ۹۶۶ ہجری کے بعد محمد جلال الدین اکبر بادشاہ بعارضہ بخار و درد سر مبتلا ہوا تو حکماء حاذق نے تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا۔ بادشاہ مذکور اس مقام پر آکر شفایاب ہوا اور خوش ہو کر ایک محل کی تعمیر کا حکم دیا۔ محل تیار ہونے پر ایک آبادی کی تشکیل کا خیال ظاہر کیا سید عبداللہ نقوی بخاری مورثِ اعلیٰ سادات محل نے اپنے خاندان کی آبادی قائم کی چنانچہ بادشاہ نے خوش ہو کر انھیں کو یہ موضع معافی میں عطا فرمایا۔ عملداری جاٹان میں معافی ضبط کر لی گئی۔ زمینداری باقی رہی جو اب تک اولاد سید عبداللہ کے قبضے میں رہی۔ کچھ عرصہ بعد برادران یک جدی میں آتش جدال و قتال مشتعل ہوئی جس سے ناخوش ہو کر اکثر خاندان ترک سکونت کر کے دوسرے مقامات پر جا کر آباد ہو گئے۔ یہاں کے زیادہ تر سادات نے اول وجھابن ضلع متھرا میں بود و باش اختیار کی۔ ایک خاندان سادات جعفری بھی موضع آغاپور عرف اگھاپور سے آکر یہاں آباد ہوا۔ سادات نقوی و جعفری میں باہم رشتہ داری تھی اور یہی دو خاندان ابتک یہاں رہتے تھے۔

باب اٹھائیسواں (۲۸)

شہر بھرت پور

خاندان زید الواسطی

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ اس خاندان کے کون بزرگ کب اور کہاں سے وارد ہندوستان ہوئے۔ فی زمانہ یہ خاندان تقریباً ایک سو پچیس (۱۲۵) سال سے شہر بھرتپور محلہ بُدھ کی ہاٹ میں آباد تھا۔ قراین سے پایا جاتا ہے کہ بزمانہ شاہ عالم بادشاہ غازی ۴ جمادی الثانی سنہ ۴۳ھ جلوس یعنی سنہ ۱۸۰۱ء عیسوی کے قریب اس خاندان کے بزرگ میر محمد علی خاں خلف قاضی محمد یار علی صاحب کو منصب قضیات پرگنہ حویلی سرکار کول مضاف صوبہ مستقر الخلافت اکبرآباد معہ سواد قصبہ قریات و پٹہ جات متعلقہ آں تعمیر اکرام الدین معہ موازی چار صد بیگہ آراضی در وجہ مدد معاش عطا ہوئی اُس سلسلہ میں آنجناب اولاً علی گڈھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ نقل فرمان آخر میں درج ہے۔

علی گڈھ سے مراجعت کرنے پر یہ خاندان منتشر نہیں رہا۔ جب کہ بھرتپور میں مہاراجہ بلونت سنگھ صاحب والی بھرتپور مہلک امراض میں مبتلا ہوئے تو

قاضی محمد علی خاں صاحب کو جو حکیم حاذق بھی تھے مہاراجہ صاحب موصوف نے بنابر معالجہ خود متھرا سے بلوایا اور علاج کرایا جس سے تھوڑے ہی عرصے میں مہاراجہ صاحب کو صحت ہوگئی اس صلہ میں شرفا نواز مہاراجہ نے خوش ہو کر حکیم صاحب موصوف کو ایک گاؤں موضع باگھئی جو فی زمانہ تحصیل خاص بھرتپور میں ہے معہ دیگر اعزاز سرداری عطا فرمایا اور علم فارسی بھی انھیں سے حاصل کیا۔

حکیم صاحب موصوف کے ایک فرزند حکیم خادم حسین صاحب پیدا ہوئے۔ وہ بھی حکیم کامل تھے۔ آنجناب کی بسر اوقات زیادہ تر ذریعہ آبائی جاگیر تھی۔ کول کی جاگیر کب اور کیا ہوئی اُس کا پتہ نہیں چلتا۔ حکیم خادم حسین صاحب غریبوں کی گذر اوقات کے لئے ہمیشہ تعمیر مکان کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ آپ نے بھرتپور میں ہی انتقال فرمایا۔ آپ کی وصیت کے بموجب بیرون کمھیر دروازہ چوراہہ پر آپ کی خام قبر ہے جہاں ہر سال دسویں محرم کو کربلا جاتے وقت مومنین فاتحہ خوانی کرتے تھے اور پس ماندگان دو ایک ماتم اور نوحہ خوانی امام مظلوم علیہ السلام کرا دیتے تھے جو ان بزرگ کا منشا تھا۔ حکیم صاحب موصوف کا مکان کے اندر ایک امام باڑہ بنوایا ہوا تھا جس میں سالانہ مجالس عزا امام مظلوم علیہ السلام نسلاً بعد نسلٍ برپا ہوتی رہیں اور بھرتپور کے فسادات سے قبل تک تمام مراسم عزا منشی سید اکرام حسین صاحب پنشنر پیشکار ججی بھرتپور کے زیر اہتمام جو اب اس خاندان کے موجودہ بزرگ بھی ہیں اور

حکیم صاحب موصوف کے پوتے ہیں انجام پاتے رہے۔ پیشکار صاحب موصوف بڑی عقیدت مندی اور اہتمام کے ساتھ دھوم دھام سے عشرہ محرم کی مجالس کیا کرتے تھے۔ آپ اور آپ کے صاحبزادگان تحت اللفظ مرائی خاص عمدگی کے انداز میں پڑھ کر مومنین کو مسخر فرماتے تھے۔ وہی عزاداری کا سلسلہ موصوف نے کراچی آنے پر بھی قائم رکھا ہے۔ حیدری کیمپ میں آپ کی سکونت ہے وہیں مراسم عزا جناب امام مظلوم علیہ السلام اُسی شان سے انجام دے رہے ہیں۔

گاؤں جاگیری موضع باگھئی واپس ہوکر معافی نقدی میں تبدیل کردی گئی جس کو حکیم صاحب کی اولاد اب تک حاصل کرتی رہی۔ نقدی معافی کی رقم پچاس روپے ماہوار ہے۔

اس خاندان کا مذہب امامیہ ہے۔ صوم وصلوٰۃ ورسومات کے سختی سے پابند ہیں۔ مستورات پردہ کی سختی سے پابندی کرتی ہیں۔ انساب حکیم صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ زیدی الواسطی ہیں۔ مشاہیر کے تفصیلی حالات انشاءاللہ تذکرہ مشاہیر سادات میں درج کیے جائیں گے۔

بھرتپور میں جب مسلمانوں کے اوپر مظالم اور قتل وغارت ستمبر ۱۹۴۷ء میں ہونے لگے تو یہ خاندان بھی ہزاروں روپیہ کی املاک اور سامان چھوڑ کر اول شاہ گنج آگرہ وہاں سے مملکت پاکستان میں قطعی طور پر ہجرت کر کے آگیا

ہے اور زیادہ تر اشخاص حیدری کیمپ کراچی عقب میدان عید گاہ سکونت اختیار کر کے بڑی سخت تکالیف اور مصائب برداشت کر کے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسی خاندان کا ایک چشم چراغ سید مقصود حسین عرف دولہ آگرہ سے بھرتپور آتے ہوئے اکرن کے اسٹیشن پر ہندو بلوائیوں نے شہید کر دیا جن کی نعش آگرہ شاہ گنج لائی جا کر گورستان شاہ گنج میں دفن کی گئی۔

نقل سند عہدہ قضیات و عطیہ معافی

۷۸۶

مہر

ہو الغالب

مہر

دُر التاج سلطنت

اکبر بادشاہ :۔

جل جلالہٗ ۔

فرمان جلالت نشان محمد

ابو المُظفر شاہ عالم بادشاہ غازی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الطاعۃ والاذعان صادر شد کہ منصب قضائے پرگنہ جلی سرکار کول مضاف صوبہ مستقر الخلافت اکبر آباد معہ سواد قصبہ قریات و پٹہ جات متعلقہ آں تعمیر اکرام الدین بنام شریعت پناہ

میر محمد علی خاں ولد فضیلت و شریعت پناہ قاضی محمد یار علی معہ موازی چہار صد بیگہ
آراضی پختہ بنجر افتادہ لائق زراعت خارج جمع در وجہ مدد معاش شریعت پناہ مذکو
.... حسب الضمن مقرر باشد کہ بلوازم و مراسم آں کما ینبغی پرداز دو از نشر شرعیات
و قطع و فصل قضایا و معاملات رفع و دفع دعاوی و خصومات و عقود انکحہ الاولی لہ
و قسمت برکات و کتابت صکوک و سجلات تحریص و ترغیب مردم بطاعات و
عبادات و اجراء حدود و طہارات و امامت جمعہ و جماعات و تحقیق احوال غیب
ایتام و تعین اوصیا و نصب قوام بہ مساعی موفورہ بہ تقدیم رساند۔ باید کہ فرزندان
نامدار و بکامگار والا تبار و وزرائے ذوالاقتدار و امراء عالی مقدار و حکام کرام
و عمال کفالت فرجام و متصدیان جہات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و
جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و موبداً شریعت پناہ مذکور قاضی
آنجا۔ دانستہ و زمین مسطورہ بہمو د چک بستہ نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ خالداً
و مخلداً بہ تصرف مشارٌ الیہ واگذارند و از صوادم تغیر و تبدیل مصون و محروس دانستہ
بعلت پیش کش صوبہ داری و فوجداری مال و جہات و سائر اخراجات مثل قنلغہ و
محصلانہ و مہرانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی و مقدمی و صدو دی
و قانون گوئی و ضبط ہر سال بعد تشخیص چک و تکرار زراعت مزاحم و معترضین نشوند
و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند۔ دریں
باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند مجدد نطلبند و اگر در محل دیگر

چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار نہ کند طریق جمہور متوطنین آنجا ۔ آنکہ خطوط قبالات وصکوک سجلات را بخط و مہر شریعت پناہ مسطور معتبر شناسند و از یرلیغ کرامت تبلیغ والا تخلف و انحراف نورزند بتاریخ چہارم شہر جمادی الثانی سال چہل و سوم از جلوس ابد مانوس مقدس و معلی زینت تحریر یافت ... مہر جمادی الثانی سنہ ۴۳ جلوس۔

مہر پشت فرمان

قرۃ ناصرہ خلافت درۃ التاج
سلطنت مہین نور شہنشاہ دین پناہ
مرزا محمد اکبر بادشاہ بہادر ولی عہد
شاہ عالم بادشاہ غازی

خانہ زاد بادشاہ غازی شاہ عالم
فدوی رائے کنور سین

فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی
راجہ مہتاب رائے

صدر الصدور فدوی عاقبت اندیش
شاہ عالم بادشاہ غازی

بہ ثبت شد یازدہم شہر رجب المرجب سنہ ۴۳ جلوس والا

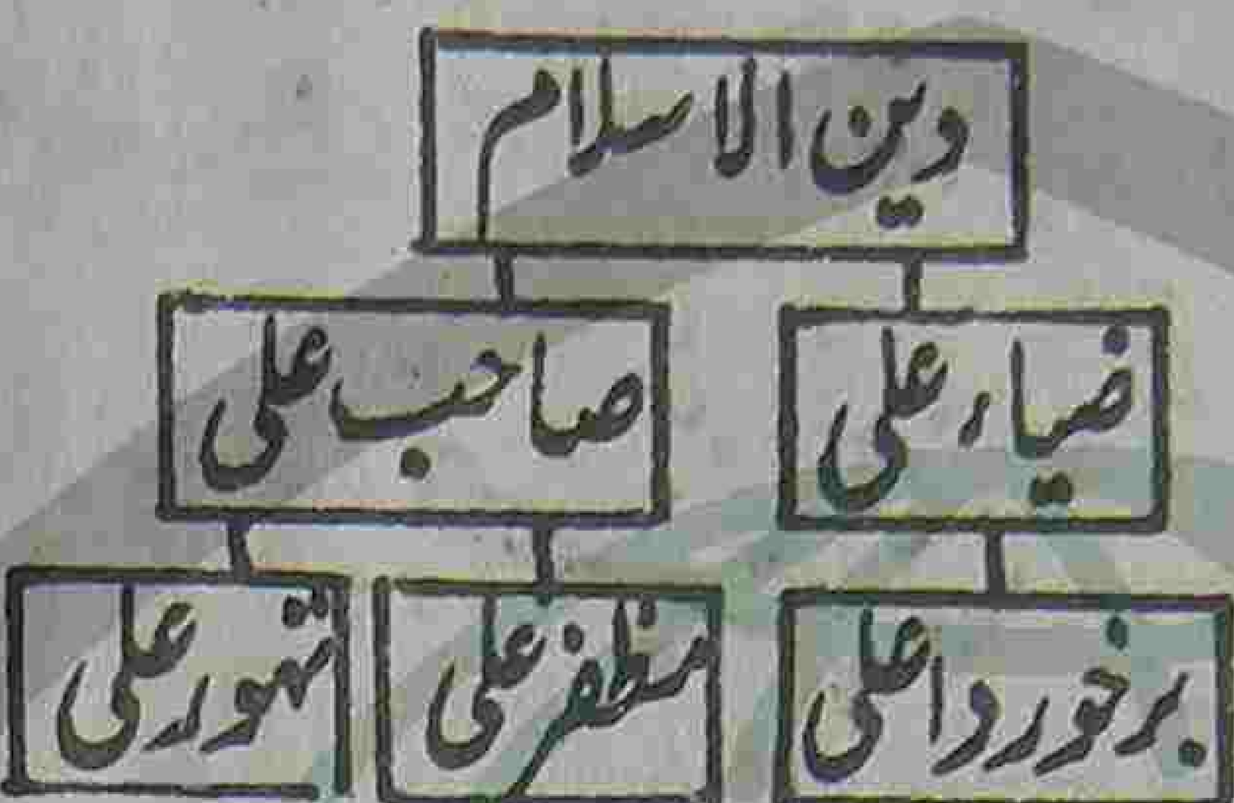
باب اُنتیسواں ۲۹

قصبہ ندبئی

قصبہ ندبئی جو تحصیل کا صدر مقام ہے متعلق ریاست بھرتپور، صدر مقام بھرتپور سے ۲۱ میل کے فاصلے پر جانب غرب ریلوے اسٹیشن بی بی۔ اینڈ سی۔ آئی آگرہ۔ باندی کوئی کی لائن پر واقع ہے جہاں پولیس اسٹیشن اسپتال مدرسہ۔ ڈاک خانہ۔ مویشی خانہ۔ دفتر انجینیری۔ چبوترہ کسٹم بھی منجانب ریاست قائم ہیں۔ عمارت تحصیل سے جانب غرب آبادی جانب شرق اسٹیشن سے ملی ہوئی۔ غلہ کی تجارتی منڈی موسومہ کٹرہ ہے۔

اس قصبہ میں تقریباً ایک ہزار مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں کی زمینداری میں آراضی زرعی بھی کئی ہزار بیگہ تھی جو سرکار کو مال گذاری ادا کرتے تھے۔ تین چار مساجد تھیں۔ یادگاری عمارتوں میں کئی مقبرے شاہی زمانہ کے اس قصبے میں بنے ہوئے تھے۔ اس قصبے کے سادات سوائے ایک دو خاندانوں کے جو دوسرے مقامات پر جاکر آباد ہو گئے باقی سب نے بزمانہ رسم تقیہ طریق مذہب امامیہ چھوڑ کر دوسرے طریق کو اختیار کر لیا اس سبب اس وقت اس قصبے میں

سادات امامیہ مذہب رکھنے والوں کی کوئی آبادی نہ تھی۔ ندبئی کے سادات
زیدی الواسطی ملت سے ہیں جن کا شجرۂ نسب اس طرح پر ہے۔



ان تین مورثوں کی نسل میں ندبئی کے سادات ہیں۔ راقم الحروف کے زمانہ میں ندبئی کے مشہور و معروف بزرگان میں منشی سید شہامت علی صاحب و منشی سید سرفراز علی صاحب و خان بہادر میر اعجاز علی صاحب سابق کلکٹر و دیوان ریاست خیرپور میرس سندھ۔ بطریق مذہب اہل سنت ندبئی میں اور سید زوار حسین صاحب سابق کورٹ سب انسپکٹر پولیس معہ برادران بطریق مذہب امامیہ بہرسر میں تھے اول الذکر دو صاحبان کی اولاد اور آخر الذکر دونوں صاحبان ہجرت کرکے پاکستان آ گئے ہیں۔

اکھے گڈھ متعلقہ ندبئی کے حلقے کے بعد ۲۵ رجون ۱۹۴۷ء کو ریاست بھرتپور کی منظم سازش کے تحت اس قصبے پر بھی ہزاروں ہندو بلوائیوں نے اچانک حملہ کیا اور قتل و غارت اور لاکھوں روپے کی جائداد کو تباہ و برباد کرکے ہزاروں روپے کا مال و اسباب۔ مویشی لوٹے اور مسلمانوں کو مجبور کردیا کہ وہ قصبے کو خالی کردیں۔

چنانچہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے اور ہجرت کر کے پاکستان آ گئے جو زیادہ تر کیمپوں اور جھونپڑیوں میں بڑی مفلوک الحالی میں گذر بسر کر رہے ہیں۔ اُن کی ہزاروں روپیہ کی زمینداری ملکیت زرعی آراضی و عالیشان مکانات پر اہل ہنود و ریاست نے قبضہ کر لیا ہے۔

تاریخ قدیم

اس قصبے کی قدامت کا پتہ مختلف تواریخ کے مشاہدے سے اس طرح پر چلتا ہے کہ ابتداً اس کا نام اجے پال پور تھا اور ۵۵ھ یا اُس کے قریب اس قصبے میں زیادہ تر آبادی قوم راجپوت کی تھی۔ غالباً یہ انھیں راجپوتوں سے تھے جن کی سلطنت اُس زمانے میں بیانہ میں تھی۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ پُرآشوب میں جب لشکر غزنویہ نے پے درپے ہندوستان پر کئی حملے کئے تو والیٔ بیانہ نے بنا بر حفظ ما تقدم اس مقام پر بھی کچھ فوج مقرر کر کے ایک گڈھی بماتحتی اپنے برادر خورد مسمیٰ اجے پال قائم کر دی اور نام اس کا اجے پال پور رکھا۔ اُس زمانہ میں اس قصبے میں خال خال مسلمان بھی آباد تھے۔ چونکہ سلطان محمود غزنوی کی متواتر ہندوستان پر فوج کشی سے عام اہل ہنود مسلمانوں سے ناخوش تھے اور اُن پر ظلم و جور کرنے لگے۔ مسلمان بھی اہل ہنود کے مظالم سے تنگ آ گئے تھے اس لئے وہ بھی اُن کے خلاف جذبہ رکھنے لگے۔

جب مملکت بیانہ مسلمانوں کے قبضے میں آئی تو غالباً مسلمان اور اہل ہنود میں اتحاد ہو کر بدستور اس کا درو بست اہل ہنود کے قبضہ میں رہا آیا مگر بیانہ پر جب پھر تھن پال راجپوت جادوں نے قبضہ کر لیا تو راجپوت پھر قوت پکڑ گئے اور مسلمانوں کو ستانے لگے۔ چنانچہ جب ۵۹۲ھ ہجری میں بیانہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے فتح کیا اور تھن پال جادوں راجپوت کا قلع قمع کر دیا تو جہاں جہاں اس راجہ کے اعزا د متوسلین فرماں روا تھے اُن کے استیصال کے واسطے افواج بسر کردگی افسران خاص مامور کیں۔ ندبئی میں راجہ تھن پال کا بھائی جو قلعہ مستحکم رکھتا تھا اور وہاں کا حکمراں تھا۔ مسلمانان ندبئی کے استغاثہ پر اُس کی سرکوبی کے لئے فوج شاہی بماتحتی آصف خاں غوری بھیجی گئی جس نے اس کو فتح کیا اور اُس کا نام آصف آباد رکھا۔ بعد قبض و دخل آصف خاں غوری اس قصبے میں مسلمانوں کی آبادی بہ کثرت ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد راجپوت مجتمع ہو کر اس قصبے پر پھر حملہ آور ہوئے مگر مسلمانان قصبہ اُن سے نہ دبے اور حملہ آور کو بھاگنا پڑا اس سبب گرد و نواح و عوام میں شہرت ہوئی کہ مسلمان نہ دبے اور اس لفظ نے اسی نام سے اس قصبے کو مشہور کر دیا بعد میں کثرت استعمال سے نام اس کا ندبئی ہو گیا جو اب تک اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

فی زمانہ اس قصبے میں زیادہ تر شیخ قریشی آباد تھے۔ کسی تحقیق سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہاں کی معافی کا فرمان کس بزرگ کے نام کس زمانہ میں اور کس

صلے میں جاری ہوا۔ سادات زیدی الواسطی کے کون بزرگ کہاں سے اور کب یہاں آکر آباد ہو گئے۔ رسم تقیہ کب اور کس طور پر جاری ہوا اور پھر یہ قصبہ کس طور پر اور کب آبادی سادات سے خالی ہوا۔ عرصہ تک سادات ندبئ و بھربیر میں رشتہ داریاں ہوتی رہیں مگر فی زمانہ بند تھیں۔

اس قصبے میں مقبرہ آصف خاں اور کئی مقبرے آثارِ قدیمہ سے تھے۔

دیگر سادات بھرتپور

ان سادات بستی اور خاندانوں کے علاوہ جن کے یہ تاریخی حالات ہم نے درج کیے ہیں شہر بھرتپور اور بعض تحصیل کے صدر مقام یا گاؤں میں بعض خاندان سادات یا مذہب امامیہ رکھنے والے دیگر حضرات اور بھی تھے جو پچھلے مہاراجگان کے زمانے میں دیگر مقامات سے بسلسلہ ملازمت آکر آباد ہوئے اور اُن کی نسلیں اب تک وہیں آباد تھیں جن کو سنہ ۱۹۴۷ء کے قتل و غارت میں تباہ و برباد کیا گیا اور اب وہ مملکت پاکستان میں ہجرت کر آئے ہیں مگر افسوس کہ اُن کے تاریخی حالات ہم کو دستیاب نہ ہو سکے اس لیے درج نہیں کیے جا سکے۔

باب تیسواں ۳۰

سادات کی اصلیت

سید یا سادات کے لغوی معنی سردار کے ہیں مگر سادات کا لفظ خاص طور پر جناب سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا بنت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول خدا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی اولاد پر اطلاق پذیر ہے۔ یہ نسل دیگر ممالک کے علاوہ پاکستان کے شمالی حصہ پنجاب سرحد۔ بلوچستان وغیرہ میں شاہ اور بھارت و پاکستان کے دیگر صوبوں میں سید یا میر کے نام سے موسوم ہے۔ علوی۔ حسنی۔ حسینی۔ عابدی۔ زیدی۔ فاطمی۔ باقری۔ جعفری۔ موسوی۔ کاظمی۔ رضوی۔ رضوی التقوی۔ تقوی۔ نقوی سب سادات کی شاخیں ہیں۔ اگرچہ ان نسلوں کے اکثر خاندان بزمانہ تقیہ یا دیگر صورتوں میں اپنی مادر گرامی جناب سیدہؑ اور پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے مذہب کے پیرو نہیں رہے مگر نسلی سادات کے زمرہ میں داخل ہیں البتہ جو نسلی شرافت بڑھانے کے لئے لفظی سید بن گئے ہیں ان کا سادات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سادات کی خصوصیات

نسب سادات رسالت مآبؐ کے کمالات کا نسبی وارث باری تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی پارہ جگر فاطمہ زہراؑ کو بنایا اور خلق و خُلق میں اُن کے مراتب کمال کی شبیہ قرار دیا جس کو خود رسولؐ نے بُضعَۃٌ مِنّی کہکر آشکارا کر دیا اس لئے کہ کل اور جزو کے خواص میں اتحاد ظاہر ہے۔ عالم کی معمولی ہستیاں فضل و شرف میں اس درجہ تک کہاں پہونچ سکتی تھیں جو کمالات رسولؐ کے پرتو اور فضائل نبویہ کی تصویر کے لئے حاصل تھا۔ قدرت نے نظام عادی کے موافق نسل انسانی کے بقا کا ذریعہ زن و شوہر کو قرار دیا ہے۔ رسول کے لئے باری تعالیٰ نے اولاد ذکور کو باقی نہ رکھا تھا ان کی نسل کا دارومدار اس واحد طاہرہ و مطہرہ بیٹی پر تھا خالق عالم نے اس معظمہ کی کفالت و ہمسری کے لئے صرف ایک ہی بندہ خلق کیا تھا جس کا نام علیؑ ہے خود رسولؑ نے فرمایا لَوْلَا عَلِیٌّ لَمْ یَکُنْ کُفُوٌ لِفَاطِمَۃَ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ زہرا کا کوئی کفو نہ تھا" علی کے باعث رسولؐ کی نسل دنیا میں قیامت تک باقی رہی اور اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کا وعدہ پورا ہوا۔

فضیلت سادات بعد عقد و رخصت جب جناب سیدہؑ دولت سرائے جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب میں تشریف لائیں تو بیٹی کے مکان پر جناب رسول خدا صلعم تشریف لائے آپ نے پانی طلب فرمایا اور اُس میں کُلّی فرمائی۔ جناب سیدہؑ و

جناب علیؑ کو طلب فرمایا پھر وہ پانی علیؑ کے سر و بازو پر پہلے چھڑکا اس کے بعد جناب سیدہؑ کے سینہ و سر پر بھی وہی پانی چھڑک کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمَا اَحَبُّ خَلْقِکَ اِلَیَّ فَاَحِبَّھُمَا وَ بَارِکْ فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا وَ اجْعَلْ عَلَیْھِمَا مِنْکَ حَافِظًا وَ اِنِّیْ اُعِیْذُھُمَا وَ ذُرِّیَّتَھُمَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ الٰہی تیری مخلوق میں یہی دو مجکو محبوب تر ہیں تو بھی ان دونوں کو محبوب رکھ ان کی اولاد میں برکت دے اور ان کا نگہبان رہ اور میں ان کو اور ان کی ذریت کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

اس دعا کے ایک حصّہ کی مقبولیت تو عالم بھر کا مشاہدہ بن گئی ہے یعنی بَارِکْ فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا۔ دنیا میں کسی ماں کی اولاد اس قدر تباہ و برباد و قتل و اسیر نہیں ہوئی جس طرح سیدۂ عالم کی ذریت قتل کی گئی مگر آج دنیا میں کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں بحمدہ سادات صحیح النسب و بنی فاطمہ موجود نہ ہوں اور انشاءاللہ تا قیامت رہیں گے۔ کاش سادات کرام اپنے آبا و اجداد کے مناقب پڑھیں اور اُن کی افضلیت پر ایمان لائیں اور ان کے اسوۂ خیر کی متابعت کریں اور اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں۔

سادات کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کی افضلیت

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات علوم کا سرچشمہ تھی اور حضرت اقدس الٰہی کی جانب سے بواسطہ رسول امامت کی مخصوص طور پر امانت دار بنائی گئی تھی اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ

وَعَلِیٌّ بَابُهَا اور اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ کے صریحی خطابات نے شک و شبہ کا موقع باقی نہیں رکھا تھا اور یہی اعلمیت مطلقہ امامت حقہ کے ثبوت میں کافی تھی۔

اسلام کی اساس و بنیاد صداقت پر قائم ہوئی ہے اور اس کی ترقی و ہر دلعزیزی اُس کی صحیح اور قابل عمل اصول۔ اُس کے مہذب و مرتب قوانین اور اُس کے دلکش اخلاق و تعلیمات میں مضمر ہے لیکن مشرکین نے جارحانہ طاقتوں سے اُس کے فنا کر دینے کا بیڑا اُٹھا لیا تھا۔ اور اگر کوئی ظاہری قوت نہ ہوتی جو اُن کی تمام طاقتوں کا مقابلہ کر کے اُن کو پسپا کر دے تو یقیناً ظاہری اسباب کی رو سے ان کی کامیابی یقینی تھی اور اُس وقت اسلام کا نقش صفحۂ وجود پر نہ آتا۔ علی ابن ابی طالب کی تلوار وہ تھی جس نے ہر جنگ میں کھینچ کر مخالفین اسلام کے حوصلوں کو پست کر دیا اور اسلام کے رایت کو ہمیشہ کے لئے قائم کیا اسی بنا پر علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کو کہنا پڑا تھا۔

الا انما الاسلام لولا حسامہ   کعفطۃ عنز او قلامۃ ظافر

شاہراہ زندگی میں علیؑ کے نقش قدم

اسلام عالم میں مشعل ہدایت بن کر آیا تھا اُس نے زندگی کے ہر شعبہ پر روشنی ڈالی اور حیات انسان کے پیچ در پیچ راستوں کو اپنے واضح ہدایات سے اس طرح صاف کیا کہ کسی راہرو کے لئے راستہ بھولنا ناممکن ہو جائے لیکن وہ جبر و اکراہ کی طاقتوں کو اپنے ساتھ لیکر نہیں آیا تھا۔ اسلامی افراد نے اسلامی تعلیمات کو مصالح و اغراض نفسانیہ کی زد میں لا کر نظر انداز

کیا اور اس کے ظاہری آداب و رسوم یا صرف رسمی و رسمی انتساب پر اکتفا کرکے اس کے حقیقی خصوصیات اور روحانی جوہر سے دست کشی کی جس کا نتیجہ خود ان کے لیے نکبت و ادبار اور تمام اقوام عالم کے مقابلہ میں پست ہونے کے سوا کچھ نہ ملا۔ ذاتی رجحانات اور شخصی و جماعتی تصادمات نے کچھ ایسی تفرقہ اندازی کی کہ جامعۂ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہوا اور اس طرح اُس کے اوراق متفرق ہوئے کہ جن کا ایک نقطہ پر جمع ہونا مشکل سے مشکل تر ہوگیا۔ مقصد حیات کے حصول میں صحیح جادہ سے ہٹ کر راستے بھی منقسم ہوگئے اور اسلامی تعلیمات میں شخصی و قومی اغراض و رجحانات کی بدولت ایسی ترمیم و تنسیخ ہوئی کہ اُس کے اصول و حقائق خود مشتبہ لباس میں نظر آنے لگے اور ظاہر بیں نگاہوں میں وہ معیار ترقی ہونے کے بجائے قعر انحطاط و تنزل میں پہونچنے کا زینہ سمجھے جانے لگے۔ اسلامی جماعت کو جو روز بدبھی دیکھنا نصیب ہوا اُس کا سب سے بڑا باعث یہی تھا کہ اُنھوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی عملی کارگذاریوں کی زمام ادارت ذاتی اغراض کے سپرد کر دی۔

اب بھی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ از سر نو اپنے اسلامی خصوصیات کا احیاء کریں، مذہبی تعلیمات کی صحیح پابندی دنیا و آخرت کے فلاح کی ضامن ہے لیکن اسلام کوئی بولتا ہوا واعظ اور ہاتھ پکڑ کر راستہ چلانے والا رہبر نہیں ہے، خود اُس کے صحیح راستہ چلانے کے لیے راہنما کی ضرورت ہے۔

مذہبی حکومت کی دعویدار اور اسلامی روحانیت کی ذمہ داری میں ہمسا ہمی کرنے والی ہستیوں نے اپنے طرز عمل سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ اُن کا اتباع کسی طرح منزل مقصود تک پہونچانے کا ضامن نہیں ہے اسلامی راستہ پر چلانے کے لئے ایسے ہی نمونہ کی ضرورت ہے جو اُس کی سچی تعلیمات کا محسوس مجسمہ اور اُس کی حقیقی خصوصیات کی جیتی جاگتی تصویر ہو جس کا ہر قول پیغمبر اسلام کی ہدایات کا پابند اور جنبش زبان مذہبی اسرار کی سرمایہ دار رہی ہو، بے شک یہی ہستی وہ ہو سکتی ہے جس کے اقوال و افعال تاریک راستہ میں مشعل کا کام دے سکتے ہیں اور جس کے دامن کا سہارا نقطہ، مقصد تک پہونچانے کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ ایسی ہستی دنیا میں ایک ہی تھی جس کا نام "علیؑ" ہے۔ علیؑ کہنے کو مسلمان لیکن واقع میں حقیقۃً خود اسلام تھے، اُن کا ہر طرز عمل قول و فعل منشاء قدرت کا ترجمان اور اسلامی روحانیت کا مکمل نمونہ تھا یا پھر اُن کی اولاد طاہرین میں اس روحانیت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

علیؑ کی ذات کو دنیا نے اب تک نہیں سمجھا ہے اور دور فلک کے ہزارہا دوروں کے بعد بھی اُن کی پوری معرفت حاصل ہونا دشوار ہے۔ علیؑ کو دنیا اب تک دُھندلی روشنی میں دیکھتی رہی ہے، ضرورت ہے کہ ذرا تاریخی واقعات کی صاف روشنی میں آنکھ کھول کر اس ہستی کا مشاہدہ کرے۔

علیؑ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے حکیمانہ ہدایات سے ایک روح پھونک دی ہے اور انسانی مقصد حیات کو اپنے قول و عمل کے ذریعے سے اس طرح واضح کیا ہے کہ شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

علیؑ نے مختصر جملوں میں فلسفۂ زندگی کے مشکل مسائل کو اس طرح حل کیا ہے کہ عقلیں حیران ہو کر اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہیں۔

علیؑ نے تہذیب اخلاق کی وہ مکمل تصویریں پیش کی ہیں جن پر انسانی شائستگی اور دنیا و آخرت کی فلاح و نجاح کا دار و مدار ہے۔

علیؑ نے تدبیر منزل کے ایسے حدود قائم کیے ہیں جن کی پابندی داخلی ارتباط و انتظام کا معیار اور معاشرت باہمی کے خوشگوار نتائج کی ضامن ہے۔

علیؑ نے سیاست مُدن میں انصاف و عدالت کے وہ دائرے کھینچ دیے ہیں جن کے اندر اجتماعی و تمدنی نظام و مصالح کے راز خصوصیت سے مضمر ہیں۔

علیؑ نے شہنشاہ ہو کر فقیروں کے ساتھ مراعات اور مساوات کا برتاؤ کیا اور دنیا کی جبروتی اور طاقتور ہستیوں کے غرور و تکبر کو ایک تنبیہی ٹھوکر لگائی۔

علیؑ نے مال و دولت پر قابض ہونے کے باوجود محتاجوں کی سی زندگی بسر کی اور اپنے ہر ذاتی سرمایہ کو مساکین کی نذر کر کے ارباب ثروت و تونگری کو بے مایہ افراد قوم کی حالت کا درد آشنا ہونا سکھایا۔ علیؑ نے پچیس برس

کی مدت تک صرف حفاظت اسلام کے لئے اپنی حق تلفیوں پر صبر کیا اور اس طرح نوعی مفاد کی خاطر شخصی حقوق کی قربانی کا نہ بھولنے کے قابل درس دیا۔

علی نے بیت المال کے موجود ہوتے ہوئے بھی اپنے رزق کے لئے یہودیوں کے درختوں میں آبیاری ہی کو پسند کیا اور اس عنوان سے اہل اسلام کو مزدوری و مشقت اور اپنے ہاتھوں کی محنت سے پیسہ پیدا کرنے کی بیش قیمت تعلیم دی۔

علیؑ نے تمام حجاز و عراق کی ظاہری شہنشاہیت کے وقت میں بھی کبھی میثم تمار کی دوکان پر بیٹھنے کو اپنے لئے کسر شان نہیں سمجھا اور یوں قوم ... کے اعلیٰ سفید پوش طبقہ کو تجارت کی طرف مائل کرتے ہوئے دوکاندار اور تجارت پیشہ افراد کے عزت و احترام کا اشارہ کیا۔

تاریخی اوراق ان اخلاقی جواہر ریزوں سے پُر ہیں۔ چشم بینا اور گوش شنوا کی ضرورت ہے۔

(۱) سلاطین و حکام سے کہو علیؑ کا اتباع کریں، دنیا امن و امان اور عدل و انصاف سے معمور ہو جائے۔

(۲) ارباب دولت سے کہو علیؑ کا اتباع کریں، قوم میں کوئی نانِ شبینہ کو محتاج نہ رہے۔

(۳) رہنمایان ملت سے کہو علیؑ کا اتباع کریں، افراد ملت کے دلوں میں

ان کی بات بجلی کی طرح تاثیر کرے اور خلوص و صداقت کے ساتھ نکلی ہوئی تعلیمات قوم کی صلاح و ترقی کی ضامن ہوں۔

(۴) عامۂ افراد قوم سے کہو علیؑ کا اتباع کریں، مذہبی۔ اخلاقی۔ اقتصادی ہر قسم کی ترقی اُن کے قدم کو لگی ہوئی ہے۔

علیؑ کے علمی۔ عملی تعلیمات دینی و دنیوی کامیابی کے ضامن ہیں اور شاہراہ زندگی میں علیؑ کے نقشِ قدم ہمیشہ رہبری کرتے رہیں گے۔ سالک کی ضرورت ہے۔

والسلام

۶ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۹ھ
۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۰ء یوم شنبہ

عاصی سید ظہیر الحسنؑ رضوی
ریٹائرڈ تحصیلدار ریاست بھرتپور